ظہور کا اغوا
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۶۱

ظہور کا اغوا

اشتیاق احمد

★

نام ناول ـــــ ظہور کا اغوا

طابع ـــــ اشتیاق احمد

کتابت ـــــ سعید نامدار

آرٹسٹ ـــــ محمد جاوید چغتائی

مطبع ـــــ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

طباعت سرورق ـــ پریم پرنٹرز لاہور

قیمت ـــــ ۶/۵۰ روپے

سالانہ قیمت ـــ ۲۵۰/۰۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد ـــ مسلم پورہ ـــ سانده کلاں ـــ لاہور

حدیث شریف

★

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تھے تو سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی شخص سر کو اُٹھا نہیں سکتا تھا۔ یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر مُسکراتے تھے اور رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ کر مُسکراتے تھے ـــ

ترمذی

السلام علیکم!
میں سوچ رہا ہوں۔ کہ میں ان دنوں کیا
سوچتا رہتا ہوں۔ سوچ کا بھنور مجھے کیوں چکرائے
دے رہا ہے۔ اور کیا میری طرح کچھ اور لوگ بھی
ہیں جو اس بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یقیناً
ہوں گے۔ ایک میں ہی تو نہیں ہوں دُنیا
میں۔ لیکن میں چاہتا ہوں۔ سب کے سب
لوگ سوچنے لگ جائیں۔ شاید ہم اس سوچ سے
ایک نئے انقلاب کو جنم دے ڈالیں۔

بات کچھ گہری ہو گئی۔ اور دو باتیں میں
بات اس قدر گہری نہیں ہونی چاہیے۔
کیوں کہ پڑھنے والے ہر سطح کے ہیں۔ سب
کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ چلیے میں وضاحت
کیے دیتا ہوں۔ یہ سوچ ملک کے حالات کی
سوچ ہے۔ ہم اپنے ملک کو کس طرف لیے
جا رہے ہیں۔ ملک ایک نہ ہوگا، تو پھر ہم
کہاں ہوں گے۔ پہلے بھی ہم اسے نصف کر
چکے ہیں، اگر اور ٹکڑے ہو گئے تو پھر ہر ایرا غیرا
ہمیں آنکھیں دکھایا کرے گا۔ چھوٹی موٹی طاقتیں
بھی غرّا کر بات کیا کریں گی۔ کیا رہ جائے
گا ہمارے پلّے۔ بات ہے نا سوچنے کی۔ لہٰذا
میری طرف سے سوچ کی دعوت قبول فرمائیں۔

[illegible]

بریف کیس

ظہور کو اچانک کار روکنا پڑی۔ سڑک کے بیچوں بیچ ایک بریف کیس پڑا تھا۔ بالکل سُرخ رنگ کا بریف کیس۔ جس کا صرف دستہ سیاہ رنگ کا تھا۔

"کیا بات ہے، کار کیوں دی؟" خان رحمان نے چونک کر کہا، وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

"سڑک پر ایک بریف کیس پڑا ہے۔" ظہور بولا۔

"پھر ہمیں کیا۔ کسی کا گر گیا ہو گا۔ خود ہی آ کر اٹھا لے گا۔ نکل چلو۔" انھوں نے کہا۔

"اس کے اوپر ایک کاغذ بھی چسپاں کیا گیا ہے اور اس کاغذ پر کچھ لکھا ہوا ہے، میں یہاں سے بھی دیکھ سکتا ہوں۔"

"کیا لکھا ہوا ہے؟"

"یہ نہیں معلوم۔ یہاں سے پڑھا نہیں جا رہا۔"

"اچھا ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

خان رحمان اُتر کر بریف کیس کے پاس پہنچے۔ انھوں نے کاغذ پر لکھی تحریر کو سرسری انداز میں پڑھا۔ الفاظ یہ تھے:

"یہ بریف کیس اگر کسی کو کہیں پڑا نظر آئے تو مہربانی فرما کر نیچے لکھے پتے پر پہنچا دیں۔ مبلغ ایک ہزار روپے انعام میں دیے جائیں گے۔"

خان رحمان بریف کیس کو اسی طرح چھوڑ کر پھر کار میں آ بیٹھے:

"کیوں جناب۔ کیا بات ہے؟"

"مجھے ایک ہزار روپے حاصل کرنے سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔" وہ منہ بنا کر بولے۔

"کیا مطلب؟"

"اس پر لکھا ہے کہ اگر یہ کسی جگہ پڑا ملے تو نیچے لکھے پتے پر پہنچا کر ایک ہزار روپے حاصل کر سکتے ہیں۔" انھوں نے بتایا۔

"اور آپ کو ایک ہزار روپے حاصل کرنے سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔"

"ہاں! بالکل نہیں۔"

"مجھے بھی قطعاً کوئی دِل چسپی نہیں ہے۔" ظہور نے مُسکرا کر کہا۔

"تو پھر رُکے کیوں کھڑے ہو۔ آگے بڑھو۔"

"میں سوچ رہا ہوں۔ کیوں نہ اس کو اُٹھا کر ڈکی میں رکھ لوں اور پھر آپ کو گھر پہنچا کر یہ بریف کیس اس کے مالک تک پہنچا آؤں۔" ظہور نے دبی آواز میں کہا۔

"ایک ہزار روپے کے لیے؟" خان رحمان نے آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں۔ نیکی کمانے کے لیے۔" ظہور فوراً بولا۔

"تو پھر میری ایک شرط ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"جی فرمائیے۔"

"تم اس سے ایک ہزار روپے نہیں لو گے۔"

"توبہ کیجیے۔" ظہور نے فوراً کہا۔

"توبہ کس بات سے کروں۔ توبہ کرو تم۔" انھوں نے جھلا کر کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ میں نیکی کے ارادے سے یہ کام کروں گا۔ اس صورت میں ایک ہزار روپے لینے کا کیا سوال۔"

"تو پھر مجھ سے توبہ کیوں کرا رہے تھے۔" خان رحمان بولے۔

"خیر۔ میں ہی کر لیتا ہوں۔ توبہ کرنا تو بہت اچھی بات ہے۔" ظہور نے بھی منہ بنایا۔

"اچھا۔ چلو پھر بریف کیس اٹھا لاؤ۔ تم بھی کیا یاد

کرو گے۔"

ظہور نیچے اُترا، بریف کیس اُٹھایا اور ڈکی میں رکھ کر پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اب وہ پھر گھر کی طرف چلے جا رہے تھے۔

خان رحمان اپنے ایک دوست کی شادی میں شرکت کرنے کے بعد گھر لوٹ رہے تھے۔ دوست کا گھر ایک گاؤں میں تھا۔ جس جگہ انھیں بریف کیس نظر آیا۔ اس جگہ دونوں طرف چٹیل میدان تھے۔ آبادی کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ سڑک کے کنارے دونوں طرف سفیدے کے درخت ضرور تھے۔

ابھی انھوں نے پانچ منٹ ہی سفر طے کیا ہو گا کہ اچانک خان رحمان کو ایک خوف ناک خیال آیا:

"ارے باپ رے۔ یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔"

"کک۔ کون سا خیال جناب۔ یہاں کسی خیال کا کیا کام؟" ظہور نے فوراً کہا۔

"کیوں۔ یہاں خیال آتے کیا دیر لگتی ہے۔"

"چلیے خیر۔ آ جاتا ہو گا۔" ظہور نے گھبرا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ تم اِدھر اُدھر کی باتیں بہت کرنے لگے ہو۔"

"کیا کیا جائے جناب۔ صحبت کا اثر ہے۔" ظہور نے مسمی صورت بنائی۔

"کیا مطلب۔ کیا میں باتونی ہوں۔ اور ہر وقت اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہتا ہوں۔" خان رحمان غرّائے۔

"نن۔ نہیں جناب۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔"

"لیکن تمھاری بات کا مطلب یہی نکلتا ہے۔"

"بالکل نہیں۔ میں تو محمود، فاروق اور فرزانہ کی بات کر رہا تھا۔ ہمارے ہاں وہ مسلسل تین دن رہ کر گئے ہیں نا۔" ظہور نے کہا۔

"تو محمود، فاروق اور فرزانہ باتونی ہیں۔" خان رحمان پھر تیز آواز میں بولے۔

"جی نہیں۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر بتاؤ نا۔ بات کیا ہے؟"

"پپ۔ پتا نہیں۔" وہ ہکلایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ پتا بھی نہیں ہے۔ اور بات بھی کر رہے ہو۔"

"شاید میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھ پر فاروق صاحب کی صحبت کا اثر ہو گیا ہے۔"

"صرف تین دن میں۔" ان کے لہجے میں حیرت دَر آئی۔

"کیوں جناب — کیا تین دن میں کسی کی صحبت کا اثر نہیں ہو سکتا؟"

"مجھے دیکھو۔" خان رحمان بولے۔

"پھر میں سڑک کی طرف نہیں دیکھ سکوں گا۔" اس نے کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے — اچھا میری بات سنو۔" خان رحمان بولے۔

"وہ میں پہلے ہی سُن رہا ہوں۔"

"مجھ سے بحث کرو گے۔" خان رحمان کو غصہ آگیا۔

"میری یہ مجال۔" ظہور بوکھلا گیا۔

"سنو — میں کتنے عرصے سے ان لوگوں کے ساتھ وقت گزار رہا ہوں — مجھ پر تو ان میں سے کسی کی صحبت کا اثر نہیں ہوا۔"

"یہ صرف آپ کا خیال ہے جناب۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"صحبت کا اثر آپ پر ہے، لیکن آپ اس بات کو محسوس نہیں کرتے — اور اس کا ثبوت یہ ہے۔"

"اوہو — تو تم ثبوت بھی دو گے۔" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! یہ بھی ان کی صحبت کا ہی اثر ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے — مجھے تو اب تم بھی سُراغ رساں بنتے نظر آ رہے ہو۔"

"سوچ تو رہا ہوں۔" ظہور نے مسکرا کر کہا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہ کہ انسپکٹر صاحب مجھے اپنے محکمے میں کوئی چھوٹی موٹی مُلازمت دلوا دیں۔"

"تم اور سرکاری مُلازمت کرو گے۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"جی ہاں! کیا حرج ہے۔"

"میری سفارش — بلکہ اجازت کے بغیر جمشید تمہیں مُلازمت نہیں دلوائیں گے۔"

"تو آپ سفارش کر دیں نا۔"

"اور میرے سوٹ کون جلائے گا — بن جلی ہانڈیاں میں کیسے کھایا کروں گا۔" انہوں نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! بس — یہی ٹیڑھا مسئلہ ہے۔" ظہور تھکے تھکے انداز میں بولا۔

"بس تو پھر — یہ بات یہیں ختم — اور میرا وہ خیال سُنو — کہیں اس بریف کیس میں کوئی بم نہ ہو — اور ہم کار سمیت

اُڑ نہ جائیں۔"

"ارے باپ رے۔" ظہور گڑبڑا گیا۔ کار تیزی سے درختوں کی طرف چلی، لیکن پھر فوراً سیدھی ہو گئی۔ ظہور نے بروقت خود کو سنبھالا تھا۔

"ہم تو بم کے بغیر ہی اللہ کو پیارے ہونے لگے تھے، لیکن نہیں ہوئے۔ اس کا مطلب ہے۔ جب تک موت نہیں آ جاتی، کوئی بم بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" خان رحمان نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔" ظہور نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ گھر پہنچ گئے۔

"مجھے تو اجازت دیں جناب۔ بریف کیس پہنچا آؤں۔" ظہور نے کہا۔

"خبردار۔ ایک ہزار روپے ہرگز نہ لینا۔"

"جی بالکل نہیں لوں گا۔ فکر نہ کریں۔"

"اور فوراً واپس آ جانا۔ شاید بیگم کو عورتوں کی کسی تنظیم میں شرکت کرنے کے لیے جانا ہے۔ بلکہ میں نے تو سنا ہے۔ آج بیگم وہاں تقریر بھی کریں گی۔"

"جی۔ تقریر۔" ظہور نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں! انھوں نے تو یہی بتایا ہے۔"

"لیکن انہیں۔ تو تقریر کرنا آتا ہی نہیں۔"

"یہ ان کا مسئلہ ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ تم جاؤ۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

ظہور واپس کار کی طرف آیا۔ ڈکی کھول کر پتا پڑھا اور پھر کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

★

نہ جانے کیا بات ہے۔ آج میرا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ طبیعت بہت اداس ہے۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوتے جا رہے ہیں۔ اور سانس کی آمد ورفت بھی بہت تیز ہو گئی ہے۔ آخر مجھے کیا ہو رہا ہے۔" فاروق نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"میں سمجھ گئی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا سمجھ گئی ہو۔" محمود بولا۔

"یہ کہ ہمیں کسی کیس سے پالا پڑنے والا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے۔ فاروق میں یہ ساری تبدیلی کیس سے پالا پڑنے کی وجہ سے ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل۔"

"میں تو پھر کیسوں کے لیے محکمہ موسمیات ہو گیا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ جب بھی فاروق کی حالت ایسی ہوا کرے گی۔ ہم کسی چکر میں اُلجھ جایا کریں گے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بشرطیکہ آج ایسا ہو گیا۔"

"بکواس۔ میں نہیں مانتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا نہیں مانتے؟" محمود بولا۔

"یہ کہ کوئی کیس ہمارے پلّے پڑنے والا ہے۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

"ارے بھئی۔ مجھے صرف نزلے کی شکایت معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے لیے میں ابھی دوا لے رہا ہوں۔ شام تک اِن شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔ پھر دیکھوں گا۔ تمھارا کیس کہاں رہ گیا۔"

"میرا کیس نہیں۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"اچھا خیر۔ وہ کیس سہی۔ جس کا تم ذکر کر رہے تھے۔"

"حیرت ہے۔ آج اب تک ابا جان بھی نہیں آئے۔"

"تو فون کر لو نا بھئی۔" باورچی خانے سے بیگم جمشید کی

آواز اُبھری۔

"اس کا مطلب ہے۔ آپ نے اپنے کان ہماری باتوں پر لگا رکھے ہیں۔"

"نہیں۔ میرے کان تو دراصل دروازے کی گھنٹی پر لگے ہوئے ہیں۔ راستے میں تمھاری آوازیں آ دھمکیں۔" انھوں نے ہنس کر کہا۔

"اوہ! تب تو آپ ہماری آوازوں کو معاف کر دیں۔" فاروق بولا۔

"لیجیے امی جان۔ خود کو معاف کروانے کی بجائے۔ آوازوں کو معاف کروا رہے ہیں یہ حضرت۔"

"کیوں۔ قیامت میں اگر میری آواز کو عذاب ہوا تو کیا مجھے تکلیف محسوس نہیں ہو گی۔" فاروق مسکرایا۔

"شاید آج ہم نے اوٹ پٹانگ باتوں کا ٹھیکا لے لیا ہے۔ میں ابا جان کو فون کرتا ہوں۔"

محمود نے جل کر کہا اور ریسیور اُٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا:

"ہیلو۔ کون بابا فضل۔ ابا جان گھر کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ اوہ اچھا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اور منہ باورچی خانے

کی طرف کرتے ہوئے بولا :

" ابا جان اپنے وقت پر دفتر سے روانہ ہو لیے تھے۔"

" اس صورت میں تو انھیں پانچ منٹ پہلے یہاں آ جانا چاہیے تھا۔"

" خیر۔ یہ کوئی ایسی عجیب یا پریشانی والی بات نہیں ۔ راستے میں انھیں کوئی کام بھی پڑ سکتا ہے۔"

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بج اُٹھی ۔ محمود کے منہ سے نکلا :

" آ گیا کیس۔"

" تمھارے اوپر کیس کا بھوت تو سوار نہیں ہو گیا۔" فاروق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

" میرے اوپر نہیں ۔ تمھارے اوپر ۔ ابھی تم خود ہی تو اپنی حالت بتا رہے تھے۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

" وہ حالت کیس کے بھوت کی نہیں ۔ میری تھی۔" فاروق بولا۔

" فون سننے کے لیے شاید مجھے باہر آنا پڑے گا ۔ تم میں سے تو کوئی ریسیور اُٹھائے گا نہیں۔" باورچی خانے سے جھلاتی آواز آئی۔

" اوہ ۔ معاف کیجیے گا امی جان ۔ یہ تو ہم بھول ہی گئے کہ فون کا ریسیور بھی اٹھانا ہے۔" یہ کہہ کر محمود نے ریسیور اٹھایا ۔ اور پھر اس کے منہ سے چہکتی آواز نکلی :

" اوہ ۔ انکل خان رحمان ۔ آپ ۔"

یہ سنتے ہی فاروق اور فرزانہ بھی اپنے کان محمود کے کان کے پاس لے آئے ، لیکن خیریت گزری کہ اندھا دھند آگے نہیں بڑھے تھے ۔ اودھر خان رحمان کہہ رہے تھے :

" نن ۔ نہیں محمود ۔ میں نہیں۔" ان کی آواز سے گھبراہٹ ٹپک رہی تھی ۔

" جی ۔ کیا مطلب انکل ۔ آپ نہیں ۔ یہ کیا بات ہوئی ۔ آپ ہی تو بول رہے ہیں۔"

" ہاں ! بول میں ہی رہا ہوں ۔ لل ۔ لیکن۔" وہ ہکلا کر رہ گئے۔

" آپ ضرورت سے زیادہ گھبرائے ہوئے ہیں ۔ اگر کوئی خطرے کی بات ہے تو ہم آ جائیں۔"

" ہاں ! یہی مناسب رہے گا ۔ لیکن ذرا جلدی کرنا اور ہاں ۔ جمشید کو بھی ساتھ لے آؤ۔"

" انھیں تو خیر ساتھ نہیں لا سکتے ، کیوں کہ وہ ابھی گھر نہیں پہنچے ۔ اور دفتر سے اپنے وقت پر روانہ ہو چکے ہیں ۔ لہٰذا انھیں کئی منٹ پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

" خیر ۔ تم تو آؤ۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا ، محمود ریسیور رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا :

"امی جان۔ انکل خان رحمان کسی پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں، ہم ان کے ہاں جا رہے ہیں۔ ابا جان آئیں تو انھیں بھی وہیں بھیج دیجیے گا۔"

یہ کہتے ہی وہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

"اچھا۔ اللہ حافظ۔" انھوں نے باہر نکلتے ہوئے بیگم جمشید کی آواز سُنی۔

افراتفری کے عالم میں وہ خان رحمان کے دروازے پر پہنچے۔ انھوں نے دیکھا۔ ان سے پہلے ایک آدمی دروازہ پر موجود تھا۔ اس کی اُنگلی گھنٹی کے بٹن پر تھی۔ ان کے موڑ رکنے کی آواز پر اس نے بھی مُڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

تعاقب

انسپکٹر جمشید دفتر سے نکل کر جیپ میں سوار ہوئے اور آہستہ رفتار سے گھر کی طرف روانہ ہوئے، وہ بغیر ضرورت کبھی گاڑی تیز نہیں چلاتے تھے۔ ہر دم انھیں یہ خیال رہتا۔ کوئی بچّہ نہ سامنے آجائے۔ کوئی جانور نہ پلیٹ میں آجائے۔ آہستہ رفتار سے چل کر بھی وقت پر ہی گھر پہنچتے تھے، کیوں کہ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ لیکن ابھی وہ گھر سے دُور تھے کہ اچانک ان کی آنکھوں میں اُلجھن تیر گئی۔ انھوں نے جیپ فوراً ایک سڑک پر موڑ دی۔ اب ان کی جیپ ہَوا سے باتیں کر رہی تھی۔ ان کے آگے ایک کار برق رفتاری سے اُڑی جا رہی تھی۔ انھیں رفتار اور بڑھانا پڑی، لیکن اس سنہری کار کے نزدیک وہ پھر بھی نہیں پہنچ سکے۔ درمیانی فاصلہ برابر بڑھ رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انھوں نے رفتار اور بڑھا دی،

اسی وقت وُہ ایک چوک سے گزرے ۔ چوراہے کے ٹریفک
کانسٹیبل نے پہلی گزرنے والی کار کو سیٹیوں پر سیٹیاں بجا
کر روکنا چاہا تھا کہ ان کی جیپ بھی گزر گئی ۔ ایک بار
پھر اس نے سیٹیاں بجانا شروع کیں ۔ اور پھر انسپکٹر جمشید
نے اپنے پیچھے ٹریفک کی ایک جیپ کو آتے دیکھا ۔ لیکن
بھلا انھیں اس کی کیا پروا ہو سکتی تھی ۔ رفتار اور بڑھا دی ۔
اب وُہ اس سنہری کار کے قدرے نزدیک پہنچ گئے تھے ۔
لیکن اس کی رفتار میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی ۔ اور انسپکٹر
جمشید محسوس کر رہے تھے کہ اس کار کا ڈرائیور کوئی بہت
ہی ماہر ڈرائیور ہے ۔

ادھر ٹریفک کی جیپ ان کے تعاقب میں تھی ، لیکن
وُہ ان سے کافی فاصلے پر تھی ۔ اور پھر وُہ شہر سے باہر
نکل گئے ۔ اب سڑک صاف تھی ۔ سنہری کار کی رفتار اور
بڑھ گئی ۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر پسینے کے قطرات نمودار
ہو گئے ۔ انھوں نے بھی رفتار اور بڑھا دی ۔ جلد ہی ٹریفک
کی جیپ نظروں سے اوجھل ہو گئی ۔

اور پھر ایک عجیب بات ہوئی ۔ اگلی کار کی رفتار یک دم
کم ہو گئی ۔ انسپکٹر جمشید نے پوری مہارت سے بریک لگائے ،
ورنہ وُہ اس سے ٹکرا گئے تھے ۔ انھوں نے اگلی کار میں

ے کسی کو اُترتے دیکھا ، وُہ ایک لمبے قد کا آدمی تھا ۔
پُرسکون انداز میں چلتا وُہ ان کی جیپ کی طرف آیا ۔ انسپکٹر
جمشید جیپ پر ہی سوار رہے ۔ ان کی نظریں اسی پر جمی
رہیں ۔

" اس میں کوئی شک نہیں ۔ کہ آپ ڈرائیونگ میں ماہر
ہیں ۔ لیکن مجھ سے مقابلے کے لیے آپ کو کس نے کہا ۔
اگر اتنا ہی شوق ہے تو کاروں کی دوڑوں کے مقابلے ہوتے
رہتے ہیں ، ان مقابلوں میں اپنی ڈرائیونگ کے جوہر دکھائیں ۔"
اس کا لہجہ بہت خوش گوار تھا ۔ چہرے پر خوش اخلاق مسکراہٹ
تھی ۔

اسی وقت ٹریفک کی جیپ ان کے قریب پہنچ گئی ۔
اور پھر جیب روک کر ایک ٹریفک سارجنٹ نیچے اُتر آیا :
" آخر میں نے آپ دونوں کو پکڑ ہی لیا ۔" اس نے چہک
کر کہا ۔

" مجھے کاروں کی دوڑ میں حصّہ لینے کا کوئی شوق نہیں
ہے ۔" انسپکٹر جمشید نے سارجنٹ کی طرف توجہ دیے بغیر کہا ۔
وُہ برابر اس لمبے آدمی پر نظریں جمائے ہوئے تھے ۔ ۔
جانے کیوں انھیں خطرے کا احساس ہو رہا تھا ۔
" تب پھر آپ میرا پیچھا کیوں کر رہے تھے ؟"

" اس کار کی وجہ سے۔ میرا دعویٰ ہے۔ یہ کار آپ کی نہیں ہے۔"

" آپ دونوں پہلے مجھ سے بات کر لیں۔" پیچھے سے سارجنٹ بولا۔

" آپ فرمائیے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" اپنے کاغذات دکھائیں۔ میں چالان کروں گا۔ آپ دونوں تیز رفتاری کا ریکارڈ توڑ رہے تھے۔"

" میں تو ان کا تعاقب کر رہا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

" تعاقب کر رہے تھے تو میں کیا کروں۔"

" میرا خیال ہے کہ یہ شخص کسی شریف آدمی کی کار چرائے لیے جا رہا ہے؛ چناں چہ میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔" انھوں نے کہا۔

" اور آپ کو یہ خیال کیسے آگیا؟"

" اس طرح کہ میں اس کار کو پہچانتا ہوں۔"

" اوہو اچھا۔" سارجنٹ چونکا، اب اس کی آنکھوں میں چمک بھی پیدا ہو گئی۔

" جی ہاں! لیکن کار کی نمبر پلیٹ بدل دی گئی ہے۔"

" کیوں جناب۔ یہ کار آپ نے کہاں سے اڑائی؟"

" میرے کاغذات دیکھ لیں۔ ان صاحب کو غلط فہمی

ہوئی ہے۔"

" ضرور۔ کاغذات ہی تو دیکھوں گا۔" سارجنٹ مسکرایا۔

اس نے کار کا خانہ کھولا۔ اور کاغذات نکال کر سارجنٹ کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے کاغذات کا غور سے جائزہ لیا، پھر ان کی طرف مڑا:

" نہیں جناب۔ وہ بات نہیں ہے۔ جو آپ سمجھ رہے ہیں، آپ کو کار کے رنگ اور ماڈل نے دھوکا دیا ہے۔ یہ کار تو انھی کی ہے۔"

" اچھا۔ ذرا میں بھی تو کاغذات دیکھوں۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

" وہ آپ بعد میں دیکھتے رہیے گا۔ پہلے مجھے اپنے کاغذات چیک کروا دیں۔"

دیکھیے جناب۔ آپ مجھے پہلے فارغ کر دیں۔" سنہری کار والے نے سارجنٹ سے کہا۔

" آپ کو چالان تو کروانا ہو گا۔"

" اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔"

" آپ خود عقل مند ہیں۔" سارجنٹ مسکرایا۔

" ٹھیک ہے۔ یہ قبول فرمائیے۔" اس نے بٹوہ نکال کر اس میں سے ایک سرخ رنگ کا نوٹ نکال کر سارجنٹ کی

"ٹھیک خیال ہے۔"

"شکریہ۔ تو پھر اجازت ہے۔ میں اس شخص کو چور ثابت کر دوں۔"

"اگر ایسا ہو گیا تو پھر مجھے اس شخص کو گرفتار کر کے لے جانا پڑے گا۔" سارجنٹ بڑبڑایا۔

"تو پھر۔ اسے گرفتار کرنے میں آپ کو کیا اُلجھن ہے؟"

"یہ کہ میں۔ اس سے دو سو روپے لے چکا ہوں۔"

"وُہ آپ واپس کر دیجیے گا۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"واپس کر دوں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اوہ۔ تو دو سو روپے جو آپ نے ان صاحب سے وصول کیے ہیں۔ وُہ آپ کو واپس کرنا بہت مُشکل نظر آ رہا ہے۔ کیوں۔ ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں جناب۔ اس سے مُشکل کام تو کوئی ہے ہی نہیں۔"

"خیر۔ پہلے تو مُجھے اپنا کام کرنے دیں۔"

"اجازت ہے۔" سارجنٹ نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

انسپکٹر جمشید کار کی طرف بڑھے۔ کار والا ابھی تک سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ اور انھیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ جُوں ہی وُہ ان کے نزدیک پہنچے۔ اس کے

طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا۔ صرف ایک سَو روپے۔ میجسٹریٹ بہت سخت لگا ہوا ہے جناب۔ آپ کو پانچ سَو روپے سے کم جرمانہ نہیں کرے گا۔ ایک نوٹ اور نکالیں۔"

"اچھا۔ لیجیے۔" اس نے ایک نوٹ اور دے دیا۔ سارجنٹ نے اس کے کاغذات اس کے حوالے کر دیے۔ وُہ کاغذات لے کر کار کی طرف بڑھا۔

"ارے۔ خبردار۔ ابھی تم نہیں جا سکتے۔" انسپکٹر جمشید غُرّا کر بولے۔

"کیوں۔ اب کیا رہ گیا۔ جرمانہ تو مَیں ادا کر چکا ہُوں۔"

"لیکن تم یہ کار نہیں لے جا سکتے۔ یہ تم نے چرائی ہے۔"

"مَیں اس کار کے کاغذات سارجنٹ صاحب کو دکھا چکا ہُوں۔"

"ہاں جناب۔ یہ ٹھیک ہے۔" سارجنٹ نے کہا۔

"لیکن ابھی میرا اطمینان نہیں ہوا۔ آپ اگر مُجھے مہلت دے دیں تو مَیں ابھی ان صاحب کو چور ثابت کر سکتا ہُوں، اس کے بعد آپ میرے کاغذات دیکھتے رہیے گا۔ اور کاغذات دیکھ کر کیا کریں گے۔ میری طرف سے بھی دو سَو روپے کے بارے میں کیا خیال ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

دائیں ہاتھ کا مُکّا ان کی ٹھوڑی پر لگا۔

مُکّا بہت زبردست تھا۔ وُہ اُلٹ کر گرے۔ دُوسرے ہی لمحے کار والا کار میں بیٹھا اور کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

"اے۔ خبردار۔" سارجنٹ چلّایا، لیکن اس کے چلّانے میں جان نہیں تھی۔ کھوکھلا پن تھا۔

"پکڑیے اسے۔ یہ کار جانی پہچانی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے چلّا کر کہا اور پھر خود بھی جیپ کی طرف دوڑے۔ لیکن پھر دھک سے رہ گئے۔ سارجنٹ کی چٹکی میں ان کی جیپ کی چابی ہل رہی تھی۔ اور اس کے چہرے پر بھرپُور مسکراہٹ بھی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

"نہیں جناب۔ آپ چالان کروائے بغیر ہرگز نہیں جا سکتے۔"

"عقل مند انسان۔ وُہ شخص تین لاکھ روپے کی کار اڑائے لیے جا رہا ہے۔ اور آپ کو چالان کی پڑی ہے۔" یہ کہ کر وُہ اس کی طرف جھپٹے اور اس تیزی سے جھپٹے کہ وُہ سنبھل نہ سکا۔ دُوسرے ہی لمحے وُہ ایک ہاتھ سے چابی چھین چکے تھے اور دُوسرے سے سارجنٹ کی ناک پر ایک ہاتھ رسید کر چکے تھے۔ اب پھر ان کی جیپ اڑی جا رہی

تھی۔

ادھر سارجنٹ سڑک پر گرا تھا۔ وُہ دانت پیستے ہوئے اُٹھا، جیپ کی طرف دوڑا اور اس پر سوار ہو کر ان کے پیچھے لگ گیا۔ انسپکٹر جمشید کو اس پر غصّہ آ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے کار چور بچ کر نکلا جا رہا تھا۔ اگلی کار اب دُور دُور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔

لیکن ان پر تو گویا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ برابر رفتار بڑھاتے چلے گئے۔ اور پھر انھیں رُک جانا پڑا۔ کار سڑک کے کنارے کھڑی تھی، لیکن لمبا آدمی غائب تھا۔

انھوں نے جیپ روک دی۔ چاروں طرف کا جائزہ لیا، اور پھر کار کی طرف بڑھے۔ لیکن کار کے دروازے بند تھے، ان کو لاک کر دیا گیا تھا۔ اب انھوں نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک ایک کر کے چابی لگانے لگے۔

عین اسی وقت سارجنٹ کی جیپ بھی وہاں پہنچ گئی:

"مَیں ایک بار پھر آپ تک پہنچ گیا۔" سارجنٹ نے چہکتی آواز میں کہا۔

"لیکن افسوس۔ کار چور شاید بھاگ نکلا۔ ہاں وُہ کار ضرور یہاں چھوڑ گیا۔"

"مجھے اس سے غرض نہیں کہ یہ کام کس کا ہے۔ یہ آپ

جائیں۔ خود ثابت کرتے رہیے گا۔ میں تو تیز رفتاری کی بنا پر
چالان کروں گا اور بس۔"

"اچھا بھائی۔ پہلے تم چالان کر دو۔" انھوں نے بے چارگی
کے عالم میں کہا۔

"اپنے کاغذات نکالیں۔"

انھوں نے جیپ کے خانے میں سے کاغذات نکال کر
اس کی طرف بڑھا دیے۔ جوں ہی اس نے کاغذات کھولے،
اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس کے منہ سے دہشت کے عالم میں
نکلا:

"آ۔ آ۔ آپ۔"

"لیکن اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ میں بھوت تو
نہیں ہوں۔ اور آپ نے بھی کوئی قتل نہیں کیا کسی کو۔ بس
ذرا رشوت ہی لی ہے۔ جو کہ حرام ہے۔ اور اس کی سزا بہرحال
بھگتنا پڑے گی۔"

"ن۔ نہیں۔ مم۔ میں معافی چاہتا ہوں۔"

"افسوس۔ معافی دینا میرے ہاتھ میں نہیں رہا۔ تم عملی
قدم اٹھا چکے ہو۔ دو سو روپے میری آنکھوں کے سامنے
وصول کر چکے ہو۔ اور ابھی تو تم مجھ سے بھی رشوت
وصول کرتے۔"

"ن۔ نہیں۔ میں نے سوچا تھا۔ آپ سے کچھ نہیں لوں
گا۔"

"کیوں۔ مجھے کیوں بخشنے والے تھے آپ؟" انسپکٹر جمشید
نے مسکرا کر کہا۔

"اس لیے کہ آپ تو تعاقب کر رہے تھے۔ اس کار کے
سلسلے میں۔"

"خیر خیر۔ آپ رشوت لے چکے ہیں اور پہلے بھی لیتے رہے
ہیں۔ آپ کو معافی نہیں مل سکتی۔ میں نے آپ کی جیپ کا نمبر
نوٹ کر لیا ہے۔ اب آپ اس لمبے آدمی کی تلاش میں میرا ساتھ
دیں۔ اس طرح شاید میں سزا میں کچھ کمی کروا دوں، لیکن آیندہ
کے لیے توبہ کرنا لازمی ہے۔"

"مم۔ میری توبہ۔" اس نے فوراً کہا۔

"میرا خیال ہے۔ وہ شخص یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔ آپ
سڑک کے اس طرف دیکھیں۔ میں اس طرف دیکھتا ہوں۔
ٹھیک ہے؟"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔"

"دوسری بات یہ کہ پوری ہوشیاری دکھانا ہے، کیوں کہ وہ
شخص بھی کچھ کم چالاک نہیں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

اب ایک طرف سارجنٹ چلا اور دُوسری طرف وُہ۔ درخت یہاں کافی فاصلے پر تھے۔ ان کے پیچھے چھپا تو جا سکتا تھا، لیکن دیر تک خود کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ انسپکٹر جمشید درختوں کو غور سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ کافی دُور نکل گئے۔ اچانک اُنھوں نے کار سٹارٹ ہونے کی ہلکی سی آواز سُنی۔ وُہ بھڑک کر مُڑے اور سڑک کی طرف دوڑ پڑے، لیکن جب تک وُہ سڑک پر پہنچے۔ کار بہت دُور جا چکی تھی۔ ادھر اُنھوں نے دُوسری طرف سے سارجنٹ کو دوڑ کر آتے دیکھا ۔

"افسوس! وُہ بچ نکلا۔" سارجنٹ بولا۔

انسپکٹر جمشید نے اسے نظر بھر کر دیکھا:

"تو وُہ اس طرف تھا؟"

"ہاں جی۔ ایک درخت کے پیچھے تھا، لیکن مَیں اسے نہیں دیکھ سکا۔ شاید وُہ ساتھ ساتھ گھوم گیا تھا۔ پھر میں آگے نکل گیا۔ اور وُہ جھک کر سڑک پر پہنچ گیا۔"

"ہُوں۔ مجھے بھی بہت افسوس ہے، لیکن اگر آپ نہ ہوتے تو مَیں اسے نکلنے نہ دیتا۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"آپ کی جیب بہت پُھولی ہوئی ہے۔ جب آپ جیپ سے اُترے تھے۔ اس وقت یہ پُھولی ہوئی نہیں تھی۔ اور دو سَو روپے

سے جیب ہرگز اتنی نہیں پُھول سکتی۔ کیا خیال ہے۔ مَیں اس جیب کی تلاشی لے لوں؟"

سارجنٹ کا چہرہ یک دم تاریک ہو گیا۔ اس کے جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔ ساکت کھڑا رہا۔ انسپکٹر جمشید آگے بڑھے اور اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس نے کوئی حرکت نہ کی۔

دُوسرے ہی لمحے انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں سُرخ نوٹوں کا ایک پورا پیکٹ آ گیا۔

"بھئی واہ۔ یہ تو دس ہزار روپے ہیں۔ فرار کی کافی قیمت وصول کی تم نے۔"

"م۔ مَیں۔"

"حالاں کہ تھوڑی دیر پہلے تم نے وعدہ کیا تھا کہ اب کبھی رشوت نہیں لو گے۔ کیوں کہا تھا نا؟"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وُہ لمبا آدمی کوئی خاص قسم کا مجرم ہو۔ فی الحال تو وُہ صرف ایک کار چور نظر آیا ہے، لیکن میرا خیال ہے۔ یہ کار والا معاملہ بھی کافی اہم ہے۔ اس لیے اب میں پھر اس کے پیچھے جاؤں گا، لیکن تمھیں اس قابل نہیں رہنے دوں گا کہ فرار ہو سکو۔"

" میں فرار نہیں ہوں گا۔ میں خود کو قانون کے حوالے
کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

" میں جانتا ہوں۔ پولیس میں کوئی بڑا افسر تمھارا سفارشی
ہوگا، لیکن یقین کرلو۔ تمھارا سفارشی کچھ نہیں کر سکے
گا۔ یہ لو۔ کچھ دیر آرام کرلو۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے اس کی کن پٹی پر ایک جچا تُلا
ہاتھ مارا۔ یہ ہاتھ کھانے کے بعد طاقت ور ترین آدمی بھی
ہوش میں نہیں رہ سکتا تھا۔ وُہ تڑ سے گرا اور ساکت ہوگیا۔

انسپکٹر جمشید نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اپنی جیپ
میں بیٹھ کر پھر سنہری کار کے پیچھے روانہ ہوگئے۔

وُہ سوچ رہے تھے۔ نہ جانے یہ تعاقب اور کس قدر
لمبا ہوگا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بہت تعاقب کیے تھے،
لیکن اس قدر لمبا تعاقب شاید کبھی نہیں کیا تھا اور اس
کی لمبائی میں کچھ ہاتھ اس راشی سارجنٹ کا بھی تھا۔

ایک گھنٹے تک آگے سفر کرنے کے بعد بھی سنہری کار
انھیں نظر نہ آسکی۔ آخر تھک ہار کر وُہ واپس روانہ ہوئے۔
سارجنٹ انھیں اسی طرح پڑا ملا۔ اس کی جیپ کو سڑک
سے اُتار کر انھوں نے سارجنٹ کو اپنی جیپ پر لادا، اکرام
کو اس کی جیپ کے بارے میں فون پر ہدایات دیں اور

شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ سارجنٹ کو قانون کے حوالے کرنے
کے بعد وُہ گھر پہنچے۔ بیگم جمشید بے صبری سے ان کا انتظار
کر رہی تھیں۔ دروازہ کھولتے ہی بول اُٹھیں:

" آپ کی خان رحمان صاحب کے ہاں ضرورت ہے۔ محمود،
فارُوق اور فرزانہ کافی دیر پہلے وہاں جا چکے ہیں۔"

" اوہ۔ تت۔ تت۔" ان کے منہ سے نکلا۔

" تت تت کیا؟" بیگم جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

" کچھ نہیں۔" یہ کہہ کر وُہ مُڑے اور پھر جیپ میں بیٹھ کر
خان رحمان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

--- ---

مُجرم کا پیغام

"آپ کو خان رحمان صاحب سے ملنا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں!" اس نے کہا۔

"لیکن اس وقت وہ شاید آپ سے مُلاقات نہ کر سکیں۔" فارُوق نے کہا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"وہ اس وقت کسی خاص وجہ سے بہت پریشان ہیں۔"

"مجھے ان سے کوئی ذاتی کام نہیں۔ ایک پیغام انھیں دینا ہے۔"

"ہُوں۔ وہ پیغام آپ ہمیں دے دیں۔ ہم انھیں دے دیں گے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب۔ جس نے مجھے وہ پیغام دیا تھا، اس نے ہدایت ..."

اسی وقت دروازہ کھُلا اور خان رحمان کی صُورت نظر

آئی:

"تم آ گئے محمود، فارُوق، فرزانہ۔" وہ بولے۔

"جی ہاں! لیکن ہم سے پہلے یہ آئے ہیں۔ پہلے ان سے بات کر لیں۔" فرزانہ نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"اس وقت میں کسی سے بات نہیں کر سکتا۔"

"تب تو ہم بھی واپس ہو جاتے ہیں انکل۔" فارُوق نے مُسکرا کر کہا۔

"ارے نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ تم لوگوں کے سوا کسی سے بات نہیں کر سکتا۔"

"لیکن جناب۔ مجھے کوئی ذاتی کام نہیں ہے۔ کسی نے آپ کے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔"

"لائیے۔ کہاں ہے پیغام؟"

"نہیں انکل۔ انھیں اندر لے چلیے۔ اطمینان سے بات کرنا بہتر ہو گا۔ ہمیں یہ بھی تو پوچھنا ہو گا کہ انھیں پیغام کس نے دیا۔ کہاں دیا۔ کیا دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہُوں۔ جیسے تُمھاری مرضی۔" انھوں نے کندھے اُچکائے۔

"میرا خیال ہے۔ مجھے اندر داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یُوں بھی میں جلدی میں ہُوں۔ بات صرف اتنی سی

ہے کہ راستا چلتے مجھے ایک صاحب نے یہ لفافہ دیا تھا۔ اس پر آپ کا نام اور پتا درج ہے۔ ان کی ہدایت تھی کہ یہ میں صرف اور صرف آپ کے ہاتھ میں دوں۔ اور اُنھوں نے مجھے اس کام کے لیے پچیس روپے بھی دیے تھے، میں ایک غریب آدمی ہوں۔ مجھے اتنے سے کام کے پچیس روپے مل گئے۔ میں یہ کام کیوں نہ کرتا۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ شکریہ۔ لائیے لفافہ۔ اور آپ جائیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے لفافہ لے لیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں انکل؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"ہم چاہتے ہیں۔ انھیں بھی اندر لے کر چلیں۔ ابھی ہمیں اس شخص کا حلیہ بھی معلوم کرنا ہے۔ اور پھر۔ پتا نہیں۔ اس لفافے میں کیا چیز ہے۔ کوئی خطرناک مادہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ جو لفافہ کھلتے ہی بھڑک اُٹھے اور گھر کو آگ لگا دے۔ یہ سبھی کچھ ممکن ہے۔ اس لیے ان صاحب کو اندر چلنا ہوگا۔ آخر انھیں اندر چلنے میں کیا اعتراض ہے؟"

"کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جہاں تک اس شخص کے حلیے کا تعلق ہے۔ میں اسے غور

سے نہیں دیکھ سکا۔ وہ کافی لمبے قد کا آدمی تھا۔ چہرہ بھی لمبا تھا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

"لیکن آپ کو پھر بھی اندر چلنا ہوگا۔ ہم آپ کا تحریری بیان لیں گے۔ آپ کا نام اور پتا نوٹ کریں گے۔"

"جی۔ میرا نام اور پتا۔ خیر۔ اگر یہ آپ کی نظر میں ضروری ہے تو میں اندر چلا چلتا ہوں۔" اس نے تنگ آکر کہا۔

"شکریہ!" محمود مسکرایا۔

"لیکن بھئی۔ میں بہت پریشان ہوں۔" خان رحمان نے جلدی سے کہا۔

"ضرور ہیں۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے۔"

"پھر۔ آخر ان کو اندر لے چلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اس ضرورت کو ہم سمجھتے ہیں انکل۔" فرحت بولی۔

"اچھا۔ جیسے تم لوگوں کی مرضی۔"

وہ پانچوں ڈرائنگ روم میں آئے۔

"پہلے تو تم میری بات سن لو۔" خان رحمان بے قراری کے عالم میں بولے۔

"نہیں انکل۔ پہلے ہم ان سے بات کریں گے۔" یہ کہہ کر محمود نے قلم اور کاغذ نکال لیا اور بولا:

"آپ کا نام؟"

اختر رشید۔" اس نے کہا۔

"پتا بھی لکھوا دیں۔"

"دل گیر روڈ ۱۰۔" وہ بولا۔

"تو اس آدمی کا چہرہ لمبا تھا۔ قد بھی کافی لمبا تھا۔"

"ہاں!" وہ بولا۔

"کوئی اور بات؟"

"جی نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"اب ہم اس لفافے کو کھولیں گے۔"

"ضرور کھولیے۔ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔ اور مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"لائیے انکل۔ لفافہ مجھے دیں۔" محمود نے کہا۔

خان رحمان نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ محمود نے ہاتھ اختر رشید کے قریب کرتے ہوئے لفافہ چاک کیا، لیکن اس کے چہرے پر ذرا بھی گھبراہٹ نظر نہ آئی۔ انھوں نے دیکھا۔ لفافے میں واقعی ایک کاغذ تھا۔

"آپ کے گھر میں فون موجود ہے جناب؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں نے بتایا نا۔ ایک غریب آدمی ہوں اور غریبوں کے گھروں میں فون نہیں ہوتے۔"

"اوہ ہاں۔ یاد آیا۔ خیر۔ اپنے ہاتھ سے اس کاغذ پر اپنا بیان لکھ دیں۔" محمود نے کہا۔

"آخر میں ایسا کیوں کروں۔" اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"اس کی ضرورت ہے۔" محمود نے کہا۔

"اگر میں نہ لکھوں۔"

"تو پھر ہم پولیس کو فون کریں گے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

وہ یک دم کھڑا ہو گیا اور تلملا کر بولا:

"بہت ہو چکی۔ اب میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہروں گا، میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ایک شخص کا پیغام آپ تک پہنچایا ہے۔ اور اب میں جا رہا ہوں۔"

"ہم اس بات کا ثبوت چاہتے ہیں۔"

"کس بات کا؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس بات کا کہ یہ خط واقعی آپ کو کسی نے دیا تھا۔"

"اس میں کسی ثبوت کی کیا ضرورت۔ آپ خط پڑھ لیں۔" وہ بولا۔

"بعد میں پڑھیں گے۔"

اب خان رحمان کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار نظر

آنے لگے تھے۔ ان سے رہا نہ گیا:
"یہ تم کیا کر رہے ہو۔ کیوں وقت ضائع کرنے پر تُل
گئے ہو۔" خان رحمان نے خوش گوار لہجے میں کہا۔
"ایک منٹ انکل۔" محمود نے ہاتھ اُٹھا کر کہا اور کاغذ اس کی
طرف سرکاتے ہوئے بولا:
"آپ بھی بلا وجہ بات کو بڑھا رہے ہیں۔ اس کاغذ پر
یہ لکھ دیں کہ کسی نے آپ کو یہ خط دیا تھا اور کام کا معاوضہ
اس نے پچیس روپے دیا ہے۔" محمود نے کہا۔
"اچھی بات ہے۔ یُوں ہی سہی۔ میری توبہ جو آئندہ
اس قسم کا کوئی کام کیا۔"
اس نے جھنّا کر کہا اور پھر بیٹھ کر کاغذ پر لکھنے لگا،
تحریر مکمل کر کے اس نے کاغذ ان کی طرف سرکا دیا:
"اب تو مجھے اجازت ہے۔"
"بس۔ ایک منٹ اور صبر کریں۔" محمود نے کہا۔
اب انھوں نے وُہ کاغذ اور وُہ خط ایک دُوسرے کے
قریب رکھے اور دونوں کی تحریر کو بغور دیکھا، پھر فارُوق نے
کہا:
"شکریہ جناب۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"
"یہ کیا بات ہوئی۔" خان رحمان حیران رہ گئے۔

"ہمارا اطمینان ہو گیا۔ اس لیے اب یہ جا سکتے ہیں،
اس میں حیرت کی کیا بات انکل۔"
"اس غریب کو تم لوگوں نے بہت پریشان کیا۔ پچیس
روپے مجھے بھی دینے چاہییں۔" یہ کہہ کر خان رحمان نے
جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔
"بس رہنے دیں۔ شکریہ۔ پچیس روپے لے کر اس قدر اُلجھن
اٹھانا پڑی۔ اگر آپ سے بھی لے لیے تو پتا نہیں کیا ہوگا۔"
اس نے کہا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا بیرونی دروازے کی طرف
چلا گیا۔ خان رحمان اس کے پیچھے گئے اور دروازہ اندر سے
بند کر کے ان کی طرف آئے:
"کافی وقت ضائع کر دیا۔ تمھیں شاید ضد سوار ہو گئی تھی۔"
"نہیں انکل۔ یہ بات نہیں تھی۔"
"تو پھر۔ کیا بات تھی؟"
"ہم دراصل کچے سُراغ رساں نہیں ہیں۔ اس لیے ہر معاملے
میں اپنا اطمینان کرنا پسند کرتے ہیں۔"
"اچھا پکے سراغ رسانو۔ تم یہ کب پُوچھو گے کہ میں نے
تمھیں کیوں بلایا تھا۔"
"ارے ہاں۔ واقعی۔ اب تو یہ پُوچھ ہی لینا چاہیے۔"
فارُوق چہکا۔

"اور ابھی یہ خط بھی پڑھنا ہے۔ جس کی ہم نے صرف تحریر دیکھی ہے۔ خیر پہلے آپ فرمائیں۔"

"میں ایک دوست کی شادی میں گیا تھا۔"

"یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔" فاروق بولا۔

"بھئی چپ رہو۔ درمیان میں نہ بولو۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"ارے! آج یہاں حامد، سرور اور ناز نظر نہیں آئے۔" محمود چونکا۔

"وہ بھی میرے ساتھ شادی میں گئے تھے۔ انھیں دوست کے گھر والوں نے روک لیا ہے۔ کل آئیں گے۔"

"اور اب محمود بول اٹھا۔"

"میں نے تو ایک ضروری بات پوچھی ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"بس۔ کر چکا میں بیان۔" خان رحمان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہو انکل۔ بس اتنی سی بات بتانے کے لیے آپ اس قدر پریشان تھے۔" فاروق نے حیرت ظاہر کی۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ تم میری پریشانی کم نہیں کرو گے، بلکہ اس میں اور بھی اضافہ کر دو گے۔"

"اوہو۔ ہم یہ کر رہے ہیں۔ تب تو ہمیں معاف کر دیں انکل۔ آئندہ کبھی ایسا نہیں ہو گا۔" فرزانہ بولی۔

"میرا خیال ہے۔ آج تم سنجیدگی گھر بھول آئے ہو۔" انھوں نے کہا۔

"وہ خود ہی رہ گئی ہو گی۔ ہم نے ارادتاً ایسا نہیں کیا۔" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی۔" خان رحمان نے تلملا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"لیجیے انکل۔ ہم نے اپنے ہونٹ سی لیے۔ اب جب تک آپ بات مکمل نہیں کر لیں گے۔ ان پر لگے ٹانکے نہیں کھلیں گے۔"

"سچ کہ رہے ہو۔" خان رحمان نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"ہاں۔ بالکل۔"

"اچھا۔ خیر۔ شادی سے فارغ ہو کر میں ظہور کے ساتھ اپنی کار میں واپس روانہ ہوا۔ شہر سے تقریباً دس کلو میٹر دور سنسان سڑک پر ایک بریف کیس پڑا نظر آیا۔ وہ سڑک کے بیچوں بیچ پڑا تھا۔ اس لیے ظہور کو کار روکنا پڑی۔ میں اتر کر نیچے گیا۔ اس پر ایک چٹ لگی ہوئی تھی۔ چٹ پر لکھا تھا کہ اگر یہ بریف کیس کہیں پڑا نظر آئے تو

چٹ پر لکھے پتے پر پہنچا کر ایک ہزار روپے انعام حاصل
کریں۔ ظاہر ہے۔ مجھے ایک ہزار روپے کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔
میں نے ظہور سے کہا۔ نکل چلو۔ لیکن۔ اس نے یہ پسند کیا
کہ بریف کیس اس کے مالک تک پہنچا دیا جائے۔ ایک ہزار
روپے کے لالچ میں نہیں۔ بلکہ نیکی کرنے کے لیے۔ تم تو جانتے
ہی ہو۔ ظہور نیکی کے کام بہت پسند کرتا ہے؛ چنانچہ میں نے
اسے اجازت دے دی۔ لیکن شرط یہ لگائی کہ پہلے مجھے گھر پہنچا
دے۔ مجھے گھر چھوڑ کر وہ کار لے کر چلا گیا۔ اور "

"اور کیا؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اور اب تک لوٹ کر نہیں آیا۔"

"اور اسے گئے کتنی دیر ہو چکی ہے؟"

"پانچ گھنٹے۔"

"اوہ۔ تب تو بہت زیادہ وقت لگ گیا۔" محمود نے چونک
کر کہا۔

"ہاں! اسی لیے تو میں پریشان ہوں۔"

"ہوں۔ کیا آپ کار کے لیے پریشان ہیں؟"

"لعنت بھیجو کار پر۔ میں ظہور کے لیے پریشان ہوں۔
کہیں وہ کسی چکر میں تو نہیں پھنس گیا۔"

"ہمیں یقین ہے انکل۔" محمود بڑبڑایا۔

"کس بات کا؟" وہ بولے۔

"یہ کہ وہ کسی چکر میں پھنس گیا ہے۔"

"اور۔ میں نے اسی لیے تم لوگوں کو فون کیا تھا۔"

"آپ نے وہ پتا پڑھا تھا۔ یعنی اس چٹ پر لکھا ہوا؟"

"نہیں۔ مجھے کیا ضرورت تھی۔ جب کہ بریف کیس مجھے
لے کر نہیں جانا تھا۔"

"خیر آپ فکر نہ کریں۔ ہم ظہور اور کار کی تلاش شروع کرواتے
ہیں اور خود بھی تلاش میں نکلتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کیوں
نہ اس پیغام کو بھی پڑھ لیں۔"

"اوہ ہاں۔ یہ بہت ضروری ہے۔" وہ چونکے اور اس خط
کی تحریر پر نظریں جما دیں۔ لکھا تھا:

"ڈیر خان رحمان۔ ایک مدت سے تم سے ملاقات کو
جی چاہ رہا تھا۔ سو اس کا انتظام کیا ہے۔ پہلی فرصت
میں آ کر ملیے۔ ملاقات کا خاطر خواہ فائدہ ہوگا اور اگر
کوئی فائدہ نہ ہوا تو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔ میں
ہوں آپ کا ایک عدد خیر خواہ ۔۔ سوڈانی۔"

"سوڈانی۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیا آپ اس نام کے کسی آدمی سے واقف ہیں؟" محمود
نے پوچھا۔

"ن ن۔ نہیں۔" وُہ ہکلائے۔

"لیکن اس شخص نے تو اپنا پتا بھی نہیں لکھا۔ پھر آپ اس سے مُلاقات کس طرح کر سکیں گے۔" فارُوق نے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ۔ یہ تو وُہی بتا سکے گا۔"

"اسی لیے ہم اس کو روک رہے تھے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کس کو۔ اختر رشید کو؟"

"ہاں۔ ارے ہاں۔ ہم نے اس کا پتا تو نوٹ کیا ہی تھا، آؤ چلیں۔" محمود اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"مم۔ میں کیا کروں؟"

"آپ بھی آئیے ہمارے ساتھ۔"

"تو پھر مَیں دُوسری کار نکالتا ہُوں۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

وُہ کار میں بیٹھ کر دل گیر روڈ پہنچے۔ مکان نمبر نو سو دس کو تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقّت نہیں ہوئی۔ لیکن اس مکان کو دیکھ کر وُہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وُہ ایک عالی شان کوٹھی تھی۔ اور اس کے دروازے پر راجا رام عزیز کا نام لکھا تھا۔

"راجا رام عزیز۔ کس قدر عجیب نام ہے۔ ہندوانہ بھی اور

مسلمانوں جیسا بھی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں! واقعی۔ اور اس کا مطلب ہے۔ اس شخص نے فرضی پتا لکھوایا تھا۔" فارُوق نے کہا۔

"ایک منٹ۔ نتیجہ نکالنے میں ہمیں اس قدر جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وُہ شخص اس گھر میں مُلازم ہو۔"

"اوہ ہاں۔ اس نے اپنی غربت کا ذکر تو کیا تھا۔" خان رحمان چونکے۔

محمُود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھُلا۔ دُوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ دروازہ کھولنے والا اختر رشید تھا۔

ادھر اختر رشید انھیں دیکھ کر چونک اُٹھا۔

خفیہ خانہ

" مسٹر اختر رشید — یہ آپ ہی ہیں ۔"

" جی ہاں ! اس میں کوئی شک نہیں " اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا، پھر بولا :

" آپ لوگ یہاں کیسے ؟"

" آپ کی تلاش میں آئے ہیں ۔"

" فرمایئے — میں کیا خدمت کر سکتا ہوں ۔"

" کیا آپ اس گھر میں ملازمت کرتے ہیں ؟"

" ہاں ! میں اس گھر کا باورچی ہوں ۔"

" شکریہ — ہم بس یہی تصدیق کرنے آئے تھے کہ آپ یہاں رہتے ہیں یا نہیں " محمود نے کہا — اور ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا :

" آیئے چلیں ۔"

" کیوں — بس " خان رحمان کے منہ سے نکلا ۔

" ہاں — اور کیا کریں گے یہاں — جو معلوم کرنا تھا کر چکے ۔"

فرزانہ نے کندھے اچکائے ۔

عین اسی وقت انھوں نے اپنے پیچھے ایک کار کے ہارن کی آواز سنی —

" اوہ — صاحب آ گئے ۔" اختر رشید نے چونک کر کہا ۔

وہ چاروں ایک طرف ہٹ گئے — کار ان کے قریب سے گزرتے گزرتے رک گئی :

" خیریت تو ہے ؟" کار میں بیٹھے بھاری بھر کم آدمی کی آواز سنائی دی —

" جی ہاں — سب ٹھیک ہے — ہم ذرا آپ کے ملازم اختر رشید صاحب سے ملنے کے لیے آئے تھے ۔"

" اس نے کوئی شرارت تو نہیں کی آپ سے ؟"

" شرارت — جی کیا مطلب ؟"

" یہ بہت چالاک ہے — شرارتی ذہن کا مالک ہے — اور اپنے ذہن سے کام لے کر پیسے کماتا رہتا ہے — کہیں یہ آپ کو کوئی پیغام ویغام تو نہیں دے کر آیا تھا ؟"

" بب — بات تو کچھ ایسی ہی تھی " خان رحمان حیران ہو کر بولے —

" کیا مطلب ؟" بھاری بھر کم آدمی کی نظریں اختر رشید پر

جم گئیں۔ آنکھوں میں غصّہ نظر آنے لگا۔

خان رحمان نے جلدی جلدی انھیں پیغام کے بارے میں بتایا۔

"اور آپ نے بھی اسے کچھ پیسے دیے ہوں گے؟" ساری بات سُن کر راجا رام عزیز نے کہا۔

"جی ہاں! قدرتی بات ہے۔" وُہ مسکرائے۔

"آیئے۔ اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" یہ کہ کر راجا رام عزیز کار آگے بڑھا لے گئے۔ پھر کار سے اُتر کر ان کی طرف بڑھے۔

"لیکن جناب۔ اب اندر چل کر کیا بات کریں گے۔ بات تو ختم ہو چکی ہے۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔ آپ کو زحمت ہوئی۔ اور میرے ملازم کی وجہ سے ہوئی۔ آیئے۔" انھوں نے خوش اخلاق انداز میں کہا۔

"چلیے۔" خان رحمان بول اُٹھے۔

وُہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اختر۔ چائے بنا لاؤ۔"

"نہیں جناب۔ رہنے دیں۔ ہم چائے نہیں پییں گے۔"

"کیوں۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس لیے کہ چائے ہم صرف وقت پر پیتے ہیں، بے وقت

نہیں۔ اور ہمارا چائے پینے کا وقت صرف صبح اور شام کا ہے۔" محمود بولا۔

"اور شام ہو چکی ہے۔" راجا رام عزیز مسکرائے۔

"لیکن اب چائے کا وقت گزر چکا ہے۔ اس لیے چائے نہیں پییں گے۔"

"خیر۔ اختر۔ رہنے دو۔ اور تم بھی یہیں بیٹھ جاؤ۔" راجا رام عزیز نے کہا۔

اختر رشید ایک کرسی پر ٹک گیا، لیکن بیٹھنے کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی بھاگ اُٹھے گا۔

"یہ اس کا خاص طریقہ ہے۔ اب تک نہ جانے کتنے لوگوں کو چکر دے چکا ہے۔ میں اس سے بہت تنگ ہوں — کئی بار ملازمت سے نکالنے کی ٹھان چکا ہوں، لیکن نکال نہیں پایا۔"

"کیوں؟" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"یہ کھانا بہت اچھا پکاتا ہے۔ اس سے بہتر کھانا کوئی نہیں پکاتا، لیکن اب میں اسے ملازمت میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔ بہت برداشت کر چکا ہوں۔ اختر۔ تم اسی وقت اپنا حساب کر لو۔"

"م۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب۔ آئندہ۔"

"یہ تو تم نہ جانے کتنی مرتبہ کہہ چکے ہو۔"

"ایک بار اور جناب۔"

"ہرگز نہیں۔ مجھے شریف لوگوں سے کس قدر شرمندگی ہوتی ہے۔" وہ بولے۔

"لیکن جناب۔ یہ یہاں کا پتا کیوں لکھواتے ہیں؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"بے وقوفی۔ اور کیا۔ خیر اب میں برداشت نہیں کروں گا، یہ ابھی اور اسی وقت فارغ۔"

"نن۔ نہیں۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس گھر کا نمک کھایا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں نے نمک معاف کیا۔" راجا رام عزیز نے منہ بنایا۔

"چلیے جناب۔ کر دیں معاف بے چارے کو۔" خان رحمان کو اس پر شاید رحم آ رہا تھا۔

"نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کل یہ پھر ایسا کوئی کام کر گزرے گا۔ پھر میں شرمندہ ہوں گا۔ آج اسے رخصت کر کے رہوں گا۔ تم ابھی گئے نہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے بٹوہ نکالا اور پانچ نوٹ سو سو روپے والے نکال کر اس کی طرف پھینک دیے۔

"آج کے بعد مجھے کبھی نظر نہ آنا۔" راجا رام عزیز کی آواز میں غراہٹ شامل ہو گئی۔

اختر رشید کانپ اٹھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے قالین پر گرے نوٹ اٹھا لیے اور پھر جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"آپ کو اسے معاف کر دینا چاہیے تھا۔" خان رحمان نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"آخر کب تک جناب۔ خیر چھوڑیے۔ اس کو۔ آپ لوگوں نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔"

"میں خان رحمان ہوں اور یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"بڑے پیارے بچے ہیں آپ کے۔"

"یہ تینوں دراصل میرے بہت ہی عزیز دوست کے بچے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ راجا رام عزیز نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور بھاری آواز میں بولے:

"ہیلو۔ راجا رام عزیز بول رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگے۔ محمود، فاروق

اور فرزانہ نے اس لمحے شدید اکتاہٹ محسوس کی ۔

" میرا خیال ہے انکل ۔ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے ۔" محمود نے کہا ۔

" ہاں چلو چلیں ۔ لیکن انھیں فون پر بات تو مکمل کرنے دو ۔" خان رحمان بولے ۔ انھوں نے سُنا ، اسی وقت راجا رام عزیز نے فون میں کہا :

" کیا واقعی !" یہ کہہ کر وہ پھر دوسری طرف کی بات سُننے لگے ، آخر انھوں نے کہا :

" کیا کہا آپ نے ۔ مرسڈیز کار ہے ۔ بالکل نئی حالت میں ، کسی کو ضرورت تھی ۔ اور وہ ابھی ابھی فروخت کرکے گیا ہے ۔ ٹھیک ہے ۔ میں تھوڑی دیر تک آ رہا ہوں ۔ میرے ہاں اس وقت کچھ مہمان تشریف فرما ہیں ۔ ان سے فارغ ہونے کے فوراً بعد آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا ۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑے :

" کاروں کے سب سے بڑے ڈیلر کا فون تھا ۔ میرے بہت اچھے دوست ہیں ۔ جب بھی کوئی خاص کار ان کے پاس آتی ہے ۔ مجھے ضرور فون کرتے ہیں ۔"

" آپ نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ مرسڈیز کون سے رنگ کی ہے ۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا ۔

" یہ تو وہ پہلے ہی بتا چکے تھے ، میں کیوں پوچھتا ۔ سنہری رنگ کی کار ہے ۔"

" اوہ !" ان کے منہ سے نکلا ۔

" خیر تو ہے ۔ میں آپ چاروں کے چہروں پر حیرت کے آثار دیکھ رہا ہوں ۔"

" دراصل ان کے پاس بھی سنہری رنگ کی بالکل نئی مرسڈیز کار ہے ۔" فاروق نے خان رحمان کی طرف اشارہ کیا ۔

" اوہ اچھا ۔"

" کیوں نا آپ ہم کو بھی ساتھ لے چلیں ۔ ہم بھی ذرا اس کار کو دیکھ لیں ۔ اگر آپ کا سودا نہ بنا تو ہو سکتا ہے ۔ ہم ہی اسے خرید لیں ۔" خان رحمان نے کہا ۔

" ضرور ۔ کیوں نہیں ۔" راجا نے خوش دلی سے کہا ۔

جلد ہی وہ کاروں کے ایک بڑے شوروم کے سامنے رکے ۔ ایک بہت بڑے میدان کے گرد چہار دیواری بنائی گئی تھی ۔ اس کے اندر چکنا فرش لگایا گیا تھا ۔ اس فرش پر چمک دار رنگ برنگی کاریں کھڑی تھیں ، یوں لگتا تھا جیسے کاروں کا کھیت اُگ آیا ہو ۔ انھیں کاروں سے اترتے دیکھ کر ایک بھاری بھر کم آدمی ہانپتا کانپتا ان تک پہنچا اور جلدی جلدی بولا :

"راجا صاحب۔ آپ نے آنے میں دیر کر دی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"سنہری مرسڈیز ابھی ابھی ایک صاحب نے خرید لی۔ دراصل میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اِدھر میں اسے قیمت بتاؤں گا، اُدھر وہ چیک لکھ دے گا۔"

"اور کیا وہ کار لے کر جا چکا ہے؟" خان رحمان بے تابانہ لہجے میں بولے۔

"نہیں۔ ابھی رسید وغیرہ لکھی جا رہی ہے۔ آئیے آپ کو دکھاؤں۔ کتنی عمدہ کار ہے۔"

"لیکن ڈوئی صاحب۔ آپ کو میرا انتظار تو کرنا تھا۔" راجا رام عزیز نے منہ بنایا۔

"بس غلطی ہو گئی۔ اسے قیمت نہیں بتانا چاہیے تھی۔ یہ کہنا چاہیے تھا کہ تھوڑی دیر تک اس کار کی قیمت نہیں بتا سکتا۔" ڈوئی بولا۔

"ہاں بالکل۔ خیر۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔" راجا رام عزیز نے کندھے اُچکائے، پھر خان رحمان کی طرف مڑ کر بولے:

"اب اسے دیکھ کر کیا کرنا۔ آئیے چلیں۔"

"نہیں۔ ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ آئیے۔" ڈوئی نے کہا۔

اور انھیں ساتھ لے کر ایک طرف چل پڑا۔ جلد ہی انھوں نے وہ سنہری کار دیکھ لی۔ اس کو دیکھ کر ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ وہ بلا شبہ خان رحمان کی کار تھی۔ لیکن اس پر نمبر پلیٹ وہ نہیں تھی۔ اب اس کا نمبر کچھ اور ہی تھا:

"اُف مالک۔ یہ۔ یہ تو میری کار ہے۔"

"آپ کی کار۔ کیا مطلب؟" ڈیلر زور سے اُچھلا۔

"ہاں جناب! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کار میری ہے، آج دوپہر کے وقت سے یہ کار میرے ڈرائیور سمیت غائب ہے۔ ہم اس کی رپورٹ تک درج کروا چکے ہیں۔"

"تت۔ تو کیا۔ آپ کی کار کا نمبر بھی یہی ہے؟"

"جی نہیں۔ نمبر پلیٹ بدل دی گئی ہے۔"

"اوہ ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ کاروں کے چور ایسے کام ضرور کرتے ہیں۔"

"مہربانی فرما کر اس شخص کا نام اور پتا بتائیں۔ جو یہ کار آپ کو فروخت کر گیا ہے۔" محمود نے پریشان آواز میں کہا۔

"کاغذات میں درج ہے۔ فائل دیکھ لیں۔" ڈوئی بولا۔

"اور ان صاحب کو بھی کار نہ لے جانے دیں۔ بلکہ کار کی فروخت روک دیں۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب۔" ڈوئی نے مُنہ بنا کر

کہا۔

" آپ کو یہ سودا کینسل کرنا ہو گا۔ ورنہ آپ بھی چوری کے مال کی خرید و فروخت کے مجرم بن جائیں گے۔" محمود نے گویا دھمکی دی۔

" لیکن آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ کار واقعی آپ کی ہے۔ کیا اس ماڈل اور اس رنگ کی کمپنی نے صرف ایک ہی کار بنائی ہو گی۔" ڈوئی نے جھلّا کر کہا۔

" نہیں۔ ایسی بات نہیں۔ لیکن مَیں اس بات کا ثبوت دے سکتا ہُوں کہ یہ کار میری ہے۔ مَیں نے اس میں کچھ تبدیلیاں کروائی تھیں۔ ایک خفیہ خانہ بنوایا تھا۔ جو کمپنی نہیں بناتی۔ جب مَیں وُہ خفیہ خانہ کھول کر دکھاؤں گا۔ اس وقت تو آپ کو اعتبار آ جائے گا۔ اور اگر اس طرح اعتبار نہیں آ سکتا تو پھر مَیں پہلے ہی یہ بات بتا دیتا ہُوں کہ اس خفیہ خانے میں کیا کیا چیزیں مُوجُود ہیں۔ کیا خیال ہے۔ بتاؤں۔"

" ضرور بتایئے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہو گی۔" راجا رام عزیز نے خوش ہو کر کہا۔

" شکریہ جناب۔ اس خانے میں ہیرے کا ایک ہار۔ سونے کی ایک گھڑی اور زمرد کے تین نیلے بٹن مُوجُود ہیں۔ کیا خیال ہے۔ یہ ثبوت کافی رہے گا۔"

" کافی سے بھی زیادہ۔" راجا رام عزیز نے بڑ بڑا کر کہا۔

" تو پھر۔ مَیں خانہ کھول کر دکھا دیتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر خان رحمان آگے بڑھے۔ اسی وقت ایک لمبے قد کا آدمی ان کے پاس پہنچ گیا اور مسٹر ڈوئی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

" مسٹر ڈوئی۔ کاغذات تیار ہو گئے۔ رقم کی ادائیگی بذریعہ چیک پہلے ہی کر چکا ہوں اور آپ میرے بنک سے تصدیق کر چکے ہیں۔ کیوں۔ ٹھیک ہے۔"

" ہاں۔ لیکن۔" مسٹر ڈوئی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

" لیکن کیا جناب۔" وُہ بولا۔

" شاید آپ یہ کار نہیں لے جا سکیں گے۔ یہ۔ یہ چوری کی ہے۔"

" کیا۔" وُہ چلّا اُٹھا، پھر بولا:

" آپ کے شو روم میں اور چوری کی کار۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

" بس ہو گئی چوک۔ لیکن ابھی یہ بات مکمل طور پر ثابت نہیں ہوئی۔ کہ یہ واقعی چوری کی ہے۔ یہ بات غلط بھی ہو سکتی ہے۔"

" مَیں سمجھا نہیں۔"

"یہ رہے کار کے مالک۔ ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی اس کار میں ایک خفیہ خانہ بنوایا تھا۔ اس خانے میں ان کے زیورات موجود ہیں۔ اور زیورات کی تفصیل یہ بتا چکے ہیں۔ اگر اس میں سے وہ زیورات نکل آئے۔ تب یہ کار ان کی ماننا پڑے گی۔ اور سودا کینسل کرنا ہوگا؛ تاہم یہ مجھے وہ رقم ضرور دیں گے۔ جو میں نے کار فروخت کرنے والے کو دی ہے۔ اس کو پکڑ کر وہ رقم برآمد کرانا پولیس کا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ نے یہ کتنے کی خریدی ہے؟"

"ڈیڑھ لاکھ روپے کی۔"

"اوہ۔ تین لاکھ روپے کی کار وہ ڈیڑھ لاکھ روپے میں بیچ گیا۔ اور آگے آپ نے کتنے کی فروخت کی ہے؟"

"سوا دو لاکھ روپے کی۔"

"گویا پچھتر ہزار روپے منافع آپ نے تھوڑے سے وقت میں کما لیا۔ کمال کا کاروبار ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"کہاں کما لیا جناب۔ ان کا چیک واپس کرنا پڑ رہا ہے، اور آپ سے اپنے ڈیڑھ لاکھ روپے لے رہا ہوں۔ بشرطیکہ خانے میں سے زیورات نکل آئے۔"

"زیورات اس میں سے ضرور نکلیں گے۔"

یہ کہہ کر خان رحمان آگے بڑھے۔ انھوں نے کار کا دروازہ

کھولا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اچانک ان کے منہ سے نکلا:

"ارے۔ یہ کیا۔"

"کیا ہوا انکل؟" تینوں جھک کر آگے بڑھے۔

"زیورات غائب ہیں۔"

"کیا!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

یہ لو خان رحمان

وہ سب کار پر جھک آئے ۔ اصل خانے کے نیچے ایک خانہ کھلا ہوا تھا ۔ لیکن بالکل خالی تھا :

" اس کا مطلب ہے ۔ کار چور نے یہ خانہ کھول لیا تھا۔" محمود بڑبڑایا ۔

" لیکن کیسے ؟" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا ۔

" آئیے ۔ پہلے اس سے مل آئیں ۔ مسٹر ڈوئی ۔ چور کا نام اور پتا ۔ بلکہ وہ کاغذات ہی ہمیں دے دیں ۔ جو اس سے لکھوائے گئے ہیں۔"

" اگر وہ چور تھا ۔ تو اس پتے پر ہرگز نہیں ملے گا۔" فرزانہ نے منہ بنایا ۔

" اس کے باوجود ہمیں وہاں جانا پڑے گا ۔ اسے چیک کرنا ہو گا۔"

" ہوں ۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔"

" میرا خیال ہے ۔ معاملہ حد درجے عجیب و غریب ہے ۔ ہم سب ہی چلتے ہیں۔" راجا رام عزیز نے کہا ۔

" ٹھیک ہے۔" نیا خریدار بول اٹھا ۔

اور وہ کاروں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے ۔ کار فروخت کرنے والے نے اپنا نام انور شیخ بتایا تھا ۔ اور پتا ماڈل سٹی ۸۰۰ لکھوایا تھا ۔

ماڈل سٹی نمبر ۸۰۰ کے سامنے رکتے ہی وہ حیرت زدہ رہ گئے ۔ کیوں کہ وہ ایک عالی شان کوٹھی کے سامنے رکے تھے اور اس کے دروازے پر انور شیخ کے نام کی ہی تختی لگی ہوئی تھی ۔

" فرزانہ ۔ تمہارا اندازہ غلط ہو گیا۔" فاروق مسکرایا ۔

" ایک میرا کیا ۔ یہاں تو سبھی کے اندازے غلط ہو رہے ہیں۔" اس نے منہ بنایا ۔

محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجا دی ۔ جلد ہی ایک درمیانے اور بھاری سے جسم والا آدمی آتا نظر آیا ۔ اس کے جسم پر نہایت قیمتی لباس تھا ۔ پھاٹک کھولتے ہوئے اس نے کہا :

" میں کیا خدمت کر سکتا ہوں ۔ ویسے اتنے بہت سے آدمیوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے ۔ ارے مسٹر ڈوئی ۔ ان میں تو آپ بھی ہیں۔" وہ چونکا ۔

"جی ہاں! اور ہم اسی کار کے سلسلے میں آئے ہیں — جو آپ نے میرے ہاتھ فروخت کی ہے۔"

"کیوں — خیر تو ہے — کیا معاملہ ہے؟"

"آپ نے وہ کار کیسے حاصل کی تھی جناب؟" خان رحمان نے پوچھا۔

چند سیکنڈ تک انور شیخ ان کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا، پھر مسکرا کر بولا:

"کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ میں نے کار چرائی تھی۔"

"آپ ہمارے خیال کی بات چھوڑیں — اپنا خیال بتائیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"ابھی پچھلے دنوں میرے بھائی نے انشارجہ سے میرے لیے بھیجی تھی۔"

"اوہ — تو آپ کے بھائی انشارجہ میں رہتے ہیں۔"

"ہاں — انھوں نے مجھے یہ کار گویا نئے سال کا تحفہ بھیجا تھا — کیا خیال ہے — کاغذات دکھاؤں۔"

"ہاں ضرور۔" محمود نے کہا۔

"آئیے — اندر تشریف لے آئیں۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے — انور شیخ کاغذات نکالنے چلا گیا — جلد ہی وہ کاغذات لیے واپس آیا — انھوں

نے ان کو چیک کیا — ان کی رو سے واقعی یہ کار انشارجہ سے بھیجی گئی تھی — وہ دیکھ کر حیران رہ گئے، پھر خان رحمان نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا:

"کیا اس میں آپ نے کوئی خفیہ خانہ بھی بنوایا تھا؟"

"ہاں — بالکل۔"

"اوہ — کس سے؟" خان رحمان بولے۔

"سرفراز رنگو سے — وہ اس قسم کے کاموں کا ماہر ہے۔" انور شیخ نے کہا۔

"ہوں — تب تو ٹھیک ہے۔" خان رحمان سست انداز میں بولے —

"کیا ٹھیک ہے انکل؟"

"میں نے بھی خفیہ خانہ سرفراز رنگو سے بنوایا تھا۔"

"اوہ!" محمود، فاروق اور فرزانہ حیرت زدہ رہ گئے — آنکھیں پھیل گئیں — آخر خان رحمان بولے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

"جی ہاں! اب چلنے کے سوا اور کام ہی کیا رہ گیا ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اسی وقت محمود کو کوئی خیال آیا، اس نے رکتے ہوئے کہا:

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی — آپ کے بھائی نے تو

یہ کار آپ کے لیے تحفے کے طور پر بھیجی تھی، پھر آپ اسے فروخت کیوں کر رہے ہیں؟"

"بس۔ مجھے ذرا ان دنوں کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے۔" انور شیخ نے کہا۔

"آپ کیا کاروبار کرتے ہیں؟"

"بڑی بڑی عمارتیں بنانے کے ٹھیکے لیتا ہوں۔"

"شکریہ جناب۔ آیئے جناب چلیں۔"

وہ واپس روانہ ہوئے۔ پھر مسٹر ڈوئی اور کار کے خریدار سے رخصت ہو کر وہ سڑک کے کنارے رک گئے:

"ہاں بھئی۔ اب کیا خیال ہے؟" خان رحمان بولے۔

"بھاگ دوڑ تو بہت کی۔ پلے کچھ نہیں پڑا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے۔ ہمیں اپنا کام مکمل کر کے ہی واپس جانا چاہیے۔ ورنہ ابا جان خوب مذاق اڑائیں گے۔ کہیں گے۔ کار بھی گنوا دی۔ زیورات بھی گنوا دیے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ بے چارے ظہور کو بھی تلاش نہیں کر سکے۔ ان کی یہ باتیں۔ ہمارے سر شرم سے جھکا دیں گی۔ لہذا ہمیں کچھ نہ کچھ کام کرنا چاہیے۔"

"آخر ہم کیا کریں؟" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"لگے ہاتھوں۔ سرفراز رنگو سے بھی ملاقات کر لیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس سے ملاقات کر کے کیا فائدہ ہو گا۔" فاروق نے فرزانہ کو گھورا۔

"تو نقصان بھی کیا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے۔ مل ہی لیا جائے۔" محمود نے فرزانہ کی تائید کی۔

آخر خان رحمان نے کار کا رخ سرفراز رنگو کی طرف کر دیا اور بولے:

"میں دراصل ظہور کے لیے پریشان ہوں۔ اس کی بیوی جب اس کے بارے میں پوچھے گی تو کیا جواب دوں گا۔"

"ٹھہریے۔ میں انکل اکرام سے معلوم کرتا ہوں۔ شاید انھوں نے انکل ظہور کا سراغ لگا لیا ہو۔" محمود نے کہا اور پھر ایک ٹیلی فون بوتھ سے اکرام کے نمبر ملائے۔ اس کی آواز سن کر بولا:

"ہیلو انکل۔ کیا رپورٹ ہے؟"

"ابھی تک ظہور کا کہیں پتا نہیں چل سکا۔ تلاش برابر جاری ہے۔ کار بھی کہیں نہیں ملی۔ انسپکٹر صاحب آپ لوگوں کا گھر پر ہی انتظار کر رہے ہیں، کیوں کہ وہ خان رحمان صاحب

کے ہاں گئے تھے، لیکن وہاں ظہور کی بیگم کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم بھی جلد ہی گھر پہنچ رہے ہیں۔ آپ ذرا ظہور کی تلاش کی طرف توجہ دیں۔"

"بے فکر رہو۔" اس نے کہا۔

سرفراز زنگو ایک چھوٹی سی دکان کا مالک تھا۔ وہ زیورات وغیرہ کے ڈبّے بنانے کا ماہر تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے بنائے ہوئے ڈبّے کوئی نہیں کھول سکتا۔ خان رحمان کی بیگم نے دراصل اس سے زیورات کا ایک ڈبّا بنوایا تھا۔ اس طرح خان رحمان کو اس سے کار میں خفیہ خانہ بنوانے کا خیال آیا۔

وہ انھیں دیکھ کر چونک اٹھا اور پھر مسکرا کر ان کی طرف بڑھا:

"تشریف لائیے خان صاحب۔ کہیے میرے بنائے ہوئے خانے کی وجہ سے کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟"

"شاید۔ پریشانی اسی خانے کی وجہ سے ہی آئی ہے۔ لیکن بہرحال۔ اس میں آپ کا کیا قصور۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"یہ لوگ آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"جی بہتر۔ لیکن یہ کون لوگ ہیں؟"

"یہ ہمارے انکل ہیں مسٹر زنگو۔" محمود جلدی سے بولا۔

"اوہ اچھا۔"

"آپ نے جو خفیہ خانہ انکل کی کار میں بنایا تھا۔ کیا بالکل ویسا ہی ایک خانہ مسٹر انور شیخ کی کار میں بھی بنایا تھا؟" محمود نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ہاں بالکل بنایا تھا۔ کیوں کیا بات ہے؟"

"کیا دونوں خانے ایک ہی طریقے سے بنائے گئے تھے؟" فاروق نے کہا۔

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ اس بات کا خیال تو مجھے اب آیا۔" وہ چونکا۔

"کیا مطلب؟" انھوں نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"مطلب یہ کہ۔ آپ کی کار میں وہ خانہ میں بنا چکا تھا۔ کہ مسٹر انور شیخ اپنی کار لے کر آئے۔ اور میں نے سوچے سمجھے بغیر بالکل ایسا ہی ایک خانہ ان کی کار میں بھی بنا دیا۔"

"لیکن دونوں کے کھلنے کا طریقہ تو مختلف ہونا چاہیے تھا۔"

"میں نے کہا نا۔ اس بات کا خیال مجھے ابھی ابھی آیا ہے۔" زنگو نے کہا۔

" ہُوں - یہ بہت بُرا ہوا۔"

" خیر - اب تو جو ہونا تھا - ہو چکا - آپ وُہ کار بھیج دیجیے گا - میں اس میں تبدیلی کر دوں گا۔"

" اب تبدیلی کا کیا فائدہ - کار تو چوری بھی ہو چکی ہے۔" محمود بولا -

" کیا !" سرفراز رنگو اُچھل پڑا ، اس کے چہرے پر حیرت دوڑتی نظر آئی -

" ہاں جناب - لیکن اس میں آپ کا کیا قصور - اچھا - اب ہم چلتے ہیں۔"

وُہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے اور گھر پہنچے - محمود نے گھنٹی کا بٹن دبایا - دروازہ انسپکٹر جمشید نے کھولا اور ان کے چہروں پر نظر پڑتے ہی چونک اُٹھے :

" گویا ابھی تک کامیابی نے قدم نہیں چومے۔"

" جی نہیں - نہ انکل ظہور کا پتا چلا - اور نہ کار کا۔" فارُوق بولا -

" کار تو خیر مجھے نظر آ گئی تھی - لیکن افسوس - میں بھی اسے گنوا بیٹھا - وُہ بہت تیز طرار آدمی تھا۔"

" جی کیا مطلب ؟" وُہ ایک ساتھ بولے۔

اور اُنھوں نے انھیں کار کے تعاقب کی تفصیل سُنا دی ،

وُہ مُسکرائے بغیر [illegible] سکے ، پھر محمود نے کہا :

" کچھ اسی قسم کی کہانی ہماری ہے۔"

" میں بھی تمھاری کہانی سننے کے لیے بے چین ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا -

محمود نے ساری بھاگ دوڑ کی تفصیل سُنا دی - انسپکٹر جمشید برابر مُسکراتے رہے - آخر محمود کے خاموش ہونے پر انھوں نے کہا :

" دو تین غلطیاں تم سے پھر بھی ہو گئیں۔"

" جی - کیا مطلب - کون سی غلطیاں ؟"

" نمبر ایک تو یہ کہ شوروم میں کھڑی کار پر سے اُنگلیوں کے نشانات نہیں اٹھوائے - حالاں کہ یہ بہت ہی ضروری کام تھا۔"

" اوہ !" وُہ دھک سے رہ گئے -

" اور دُوسری بات یہ کہ تم نے وُہ چیک چیک نہیں کرایا - جو نئے خریدار نے مسٹر ڈوئی کو دیا تھا - تم نے نئے خریدار کا نام اور پتا بھی نوٹ نہیں کیا۔"

" نام اور پتا تو خیر اب بھی نوٹ کیا جا سکتا ہے۔" محمود نے کہا -

" ہاں ! ٹھیک ہے - ایک تیسری بات - انور شیخ کا بیان

ہے کہ وہ ایک ٹھیکیدار ہے ۔ بڑی بڑی عمارتیں بنانے
کے ٹھیکے لیتا ہے ۔ اور اس کا بیان ہے کہ آج کل اسے
کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے ۔ تم لوگوں کو چیک کرنا چاہیے
تھا کہ اسے نقصان ہو رہا ہے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا
کر کہا ۔

"اور یہ ہم کس طرح چیک کرتے ابا جان ۔ ہم کوئی آڈیٹر
تو نہیں ہیں ۔ دوسرے یہ کہ مسٹر انور شیخ پر کوئی الزام تو
ہے نہیں ۔ اس کا حساب کتاب کس قانون کے تحت چیک
کیا جا سکتا تھا؟"

"انکم ٹیکس کے قانون کے تحت ۔"

"اوہ ۔ واقعی۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب اس مہم پر میں نکلتا ہوں ۔
تم لوگ آرام کرو۔"

"جی ۔ کیا فرمایا ۔ ہم آرام کریں۔" فاروق نے قدرے
گھبرا کر کہا ۔

"ہائیں فاروق ۔ تم اور آرام کے نام سے گھبرا رہے ہو۔" انسپکٹر
جمشید حیران ہو کر بولے ۔

"جی ہاں ! کیا کیا جائے ۔ مجبوری ہے ۔ ان حالات میں
آرام کی کس کو سوجھ سکتی ہے ۔ جب کہ بے چارے ظہور ابھی

تک ۔ ارے ۔ اسے تو ہم بھول ہی گئے۔" محمود کہتے کہتے رُک
گیا ۔

"جی ۔ کس کو ۔"

"اس کو جس کا پیغام اختر رشید لایا تھا۔"

"اوہ ہاں ۔ لیکن ہم اس کے بارے میں کر ہی کیا سکتے
ہیں ۔ اس نے اپنا پتا تو لکھا ہی نہیں۔"

"خان رحمان کے گھر کے نمبر گھماؤ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

"جی ۔ نمبر گھماؤں ۔ تو کیا نمبر گھمانے سے اس شخص سے بات
ہو جائے گی۔" محمود نے حیران ہو کر کہا ۔

"بھئی تم نمبر تو گھماؤ۔"

محمود نے نمبر ملائے ۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے ریسیور اپنے
والد کو دے دیا :

"ہیلو بھابی سلمیٰ ۔ جمشید بول رہا ہوں۔"

"اوہ ۔ آپ ہیں ۔ یہ سب لوگ آخر کہاں غائب ہو گئے؟"
سلمیٰ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا ۔

"سب لوگ یہاں موجود ہیں ۔ فکر نہ کریں۔"

"اور ظہور صاحب؟" اس نے پوچھا ۔

"وہ بھی جلد مل جائیں گے ۔ تلاش زور شور سے ہو رہی
ہے ۔ کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟"

"ہاں! ایک صاحب کا فون ابھی ابھی آیا تو تھا۔ وہ آدھ گھنٹے کے بعد پھر فون کرے گا۔"

"فون کرنے والے نے اپنا نام یا نمبر لکھوایا؟"

"جی نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھا۔ اگر اس کا فون آئے تو یہاں کا نمبر بتا دیجیے گا۔" انھوں نے کہا۔

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"ایک صاحب نے فون تو ضرور کیا تھا۔ ہو سکتا ہے۔ وہ وہی ہو۔ جس کا پیغام اختر رشید لے کر آیا تھا۔ خیر۔ آدھ گھنٹے بعد معلوم ہو جائے گا۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ سب چکر کیا ہے؟" فرزانہ بولی۔

"یہی معلوم کرنے کی کوشش میں ہیں ہم سب۔ کسی دعوت کے سلسلے میں نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہ جانے بے چارہ ظہور کہاں اور کس حال میں ہوگا۔" فرزانہ نے اداس انداز میں کہا۔

"اللہ کرے۔ وہ جلد مل جائے۔"

"اگر وہ نہ ملا تو آپ اختر رشید کو ملازم رکھ لیجیے گا۔" فاروق مسکرایا۔

"توبہ کرو۔ میں اس چکر باز کو ملازم رکھوں گا۔" خان رحمان

بل کر بولے۔

"جی بہتر۔ یا اللہ! میری توبہ۔" فاروق نے کہا اور خان رحمان منہ بنا کر رہ گئے۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا اور بولے:

"ہیلو۔ جمشید بول رہا ہوں۔"

"ابھی ابھی اس کا فون پھر آیا تھا۔ میں نے آپ کے نمبر بتا دیے ہیں اسے۔" سلمیٰ کی آواز سنائی دی۔

"بہت اچھا کیا۔ اب میں ریسیور رکھ رہا ہوں۔ تاکہ وہ فون کر سکے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔ اور پھر کچھ دیر بعد ہی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ سب چونک اٹھے۔ نظریں ریسیور پر جم گئیں۔ انسپکٹر جمشید نے پر سکون انداز میں ریسیور اٹھایا اور بولے:

"ہیلو۔ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"میں ہوں جناب۔ کیا آپ خان رحمان بول رہے ہیں؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"نہیں۔ ان کا دوست۔" وہ بولے۔

"لیکن میں صرف ان سے بات کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ لو خان رحمان۔ وہ صرف تم سے بات

کرے گا۔" یہ کہہ کر انھوں نے کرسی گھسٹنے کی آواز پیدا کی۔ خان رحمان ریسیور لینے کے لیے اٹھے، لیکن انھوں نے انھیں اشارے سے سمجھایا اور ان کی آواز میں بولے:

"ہیلو۔ خان رحمان پلیز۔"

مُجرم کون

"تو آپ خان رحمان بول رہے ہیں۔"

"جی۔ فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ کا ملازم ظہور۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں۔ فرمائیے۔ آپ رک کیوں گئے؟" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔"

"نہیں۔ ہم اس کی تلاش میں ہیں۔"

"تب پھر۔ سن لیں۔ وہ میرے پاس ہے۔ میری قید میں ہے۔"

"اوہ۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں! وہ میرے قبضے میں ہے۔ اور آپ کی کار بھی۔ اب کیا خیال ہے؟"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ان دونوں چیزوں کو واپس لینے کے لیے آپ کتنے روپے خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں؟"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔

"مجھ سے سودا کر لیں۔ ظہور آپ کو عزیز ہے یا نہیں؟"

"وہ عزیز نہ ہوتا۔ تب بھی ایک انسان تو ہے ہی۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ان دونوں چیزوں کے دس لاکھ روپے۔"

"طریقہ کار کیا ہوگا؟"

"انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو اپنے سے دور رکھ کر آپ وہیں آئیں گے۔ جہاں میں بتاؤں گا۔ دس لاکھ روپے نقد صورت میں آپ کے پاس ہوں گے۔ نوٹوں کا بریف کیس آپ میرے حوالے کر دیں گے اور میں دونوں چیزیں آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کس جگہ پہنچنا ہے؟"

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے آپ دس لاکھ روپے کا انتظام کر لیں۔ جوں ہی میرا فون ملے۔ گھر سے نکل پڑیے گا، اگر اپنے ساتھ انسپکٹر جمشید کو لائے تو پھر ظہور کی لاش ملے گی اور کار کا ڈھانچہ۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی رقم نکلوانے کا انتظام کرتا

ہوں۔ آپ فون کرنے کی تیاری کریں۔"

اس وقت تک انسپکٹر جمشید فون میں لگا ایک بٹن دبا چکے تھے۔ جوں ہی دوسری طرف سے ریسیور رکھا گیا، وہ بولے:

"ہیلو۔ کس نمبر سے بات کی جا رہی تھی؟"

"شہر کے مشرقی حصے کے ایک پبلک فون بوتھ سے۔"

"اوہ اچھا۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اور فون پر ہونے والی ساری گفت گو انھیں بتا دی۔

"گویا یہ چکر صرف اور صرف انکل خان رحمان سے دس لاکھ روپے اینٹھنے کے لیے تھا اور وہ بریف کیس بھی اسی لیے سڑک پر رکھا گیا تھا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! ہم تفتیش کے ذریعے مجرم تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ مجرم ہمیں مہلت شاید ہی دے گا، اب ہمیں اس کے فون کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"اور دس لاکھ روپے کا انتظام بھی تو کرنا ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہاں واقعی۔ خان رحمان تم فون پر اپنے بنک مینجر سے بات کرو اور جا کر دس لاکھ روپے لے آؤ۔"

"تت۔ تو کیا تم جمشید۔ اسے دس لاکھ روپے دے دو گے۔" خان رحمان پریشان ہو کر بولے۔

" گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مسئلہ ظہور کی زندگی کا ہے۔ ایک بار ہم ظہور کو آزاد کروا لیں۔ اس کے بعد میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔"

" گویا ظہور کو چھڑانے تک ہم کوئی چال نہیں چلیں گے۔"

" نہیں! ایسے لوگ خطرناک بھی ثابت ہوتے ہیں۔"

خان رحمان نے بنک مینجر کو فون کیا اور رقم لیے چلے گئے۔

" ابا جان! کیا آپ مجرم کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کر پائے ہیں۔"

" پہلے میں مختصر سا جائزہ پیش کرتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی بہتر!" وہ ایک ساتھ بولے۔

" خان رحمان شادی سے واپس آ رہے تھے۔ شہر سے ابھی باہر تھے کہ سنسان سڑک پر ظہور نے ایک بریف کیس پڑا دیکھا۔ بریف کیس پر لکھا تھا کہ یہ اس پر لکھے پتے پر پہنچا دیا جائے۔ ظہور بریف کیس دینے چلا گیا اور لوٹ کر نہ آیا۔ خان رحمان نے تم لوگوں کو فون کیا۔ تم خان رحمان کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ وہاں اس وقت اختر رشید بھی موجود تھا۔ وہ اغوا کرنے والے کا پیغام لایا تھا۔ پیغام

یہی تھا کہ وہ خان رحمان سے بات کرنا چاہتا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اسے تحریری پیغام بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام بھی وہ فون کے ذریعے لے سکتا تھا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

" واقعی۔ بہت اہم سوال ہے۔"

" اور شاید ہمارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔"

"جی۔ جی ہاں۔" محمود نے کہا۔

" خیر۔ اس سوال کو سوال ہی رہنے دیتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں۔ اختر رشید پیغام دے کر چلا گیا۔ محمود نے اس کا پتا نوٹ کر لیا تھا؛ چنانچہ تم اسے چیک کرنے اس پتے پر پہنچے تو وہ کوٹھی راجا رام عزیز کی ثابت ہوئی۔ اور اختر رشید ان کا ملازم نکلا۔ راجا رام عزیز نے بتایا کہ اختر رشید پہلے بھی اسی طرح لوگوں کو فرضی قسم کے پیغامات دیتا رہتا ہے۔ اور اس طریقے سے کچھ پیسے بنا لیتا ہے۔ لیکن وہ اس سے بہت تنگ تھے، لہٰذا تم لوگوں کے سامنے ہی انھوں نے اسے ملازمت سے نکال دیا۔ اسی وقت انھیں کاروں کے ڈیلر ڈوئی کا فون ملا۔ اس نے فون پر

اپنے شو روم میں ایک بالکل نئی کار آنے کی اطلاع دی تھی، تم لوگ اس کے ساتھ وہاں پہنچے تو وہ کار فروخت ہو چکی تھی۔ لیکن خان رحمان نے اس کار کو چیک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے چیک کیا گیا۔ تو اس میں خفیہ خانہ تو موجود تھا، لیکن زیورات نہیں تھے، نمبر پلیٹ بھی اور تھی۔ چنانچہ اس شخص کے پاس جانے کا فیصلہ کیا گیا جو کار بیچ گیا تھا۔ اس کا نام انور شیخ ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ کار تو انشارجہ سے اس کے بھائی نے بھیجی تھی اور خفیہ خانہ اس نے خود اس میں بنوایا تھا۔ اور خفیہ خانہ بھی اس نے اسی شخص سے بنوایا تھا، جس سے خان رحمان نے بنوایا۔ یعنی سرفراز رنگو سے۔ لہٰذا تم لوگ ناکام واپس آئے۔ اس دوران جب میں دفتر سے نکلا تو میں نے خان رحمان کی کار جیسی ایک کار دیکھی تو اس کا تعاقب شروع کر دیا، لیکن میں تعاقب کامیابی سے جاری نہ رکھ سکا اور کار والا نکل گیا۔ اب میں سوچتا ہوں۔ وہ خان رحمان کی ہی کار تھی۔"

"لیکن۔ ابا جان۔ اس کی نمبر پلیٹ۔"

"اس پر ایک اور ہی نمبر پلیٹ تھی۔ بہرحال وہ بچ کر نکل گیا۔ اور مجھے واپس آنا پڑا۔"

"گویا دونوں فریق بُری طرح ناکام رہے اور مجرم پوری طرح کامیاب۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ مجرم اس وقت تک کامیاب جا رہے ہیں، لیکن کب تک۔ آخر کو وہ مار کھا ہی جائیں گے۔ تم دیکھ لینا۔"

"جی بہت بہتر۔ ہم ضرور دیکھیں گے۔"

"اس سارے معاملے میں ایک بات غور طلب ہے۔ اختر رشید کے بارے میں مسٹر راجا رام عزیز کا یہ کہنا کہ وہ اس کی اس حرکت سے بہت تنگ ہیں۔ گویا اختر رشید یہ کام پہلے سے کر رہا ہے۔"

"اوہ۔ گویا۔ وہ ضرور مجرم یا مجرموں کا ساتھی ہے۔"

"ہاں! اس کے ساتھی ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔"

"تب پھر ہمیں پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ اس کی —"

انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے اور مسکرانے لگے۔

"کیا کوئی اور خیال آ گیا؟"

"نہیں۔ میں یہ کہنے لگا تھا کہ ہمیں اس کی نگرانی شروع کروا دینی چاہیے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم اس کی نگرانی کس طرح کروائیں۔ مسٹر راجا رام عزیز نے تو اسے ملازمت سے نکال بھی دیا ہے۔"

" ہُوں - واقعی - چلیے خیر - نہیں کرواتے نگرانی " فارُوق نے چونک کر کہا۔

" تب پھر ہم "

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی - انداز خان رحمان کا تھا - محمود نے اُٹھ کر دروازہ کھولا ، خان رحمان اندر آ گئے، ان کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا :

" رقم کا بندوبست تو گیا ہو "

" اور اب مَیں تمھارا میک اَپ کروں گا " انسپکٹر جمشید نے کہا -

" جی - کیا مطلب - میک اَپ کریں گے " وُہ ایک ساتھ بولے۔

" ہاں ! خان رحمان کی بجائے مَیں ان کے میک اَپ میں جاؤں گا -"

" اوہ - یہ - یہ ترکیب شان دار رہے گی "

" ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا - مجُرم بھی کم چالاک نہیں ہے " انھوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید خان رحمان کو لے کر میک اَپ روم میں گھس گئے - تینوں فون کے پاس بیٹھے رہے - ایسے میں بیگم جمشید ان کے پاس آئیں :

" کچھ کھانے پینے کا بھی ہوش ہے "

" نہیں امّی جان " فارُوق بولا۔

" کیا کہا - نہیں ؟

" جی ہاں " محمود نے کہا۔

" تم نے نہیں کہا یا ہاں ؟

" نہیں " فرزانہ بولی ۔

" گویا کچھ کھانے پینے کا پروگرام نہیں ہے ؟

" پروگرام ہو بھی کس طرح سکتا ہے - جب کہ انکل ظہور کو مجرموں نے اغوا کر لیا ہے اور اس بے چارے کی بیوی بہت پریشان ہے "

" ہاں ! یہ تو ہے - خیر - پھر مَیں بھی نہیں کھاؤں گی "

" ارے ارے - اس کی ضرورت نہیں - آپ ضرور کھانا کھالیں " فارُوق بولا -

" نہیں - مَیں بھی آخر اس گھر میں رہتی ہوں "

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی - وُہ چونک اُٹھے ، لیکن وُہ ریسیور نہیں اُٹھا سکتے تھے - انسپکٹر جمشید جلدی سے باہر نکلے اور فون کا ریسیور اُٹھاتے ہوئے بولے :

" ہیلو "

" کون بول رہا ہے ؟

" وُہی جس سے آپ بات کرنا چاہتے ہیں "

"اوہ مسٹر خان رحمان ۔ رقم کا بندوبست ہو گیا یا نہیں؟"

"ہاں! ہو گیا۔"

"ٹھیک ہے ۔ رات کے ٹھیک ایک بجے رقم لے کر مشرقی پہاڑیوں پر آ جاؤ ۔ تمہیں ٹارچ کی روشنی سے اشارہ دیا جائے گا ۔ اگر تم نے رقم دے دی تو ہم تمہارے ملازم اور کار کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔"

"بہت اچھا ۔ میں ٹھیک ایک بجے پہنچ جاؤں گا۔"

"خیال رہے ۔ کسی کو ساتھ لے کر نہیں آؤ گے ۔ نہ کسی کو اپنے پیچھے لگا کر لاؤ گے ۔ اگر ایسا کیا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا ۔ اور پھر نہ ملازم ملے گا، نہ کار۔"

"ٹھیک ہے ۔ میں تنہا آؤں گا۔" انھوں نے کہا ۔

"بس ۔ یہی کہنا تھا۔" یہ کہہ کر دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا ۔

ابھی میک اپ کا کام مکمل نہیں ہوا تھا ۔ وہ پھر میک اپ روم میں داخل ہو گئے ۔ اور ایک گھنٹے کے بعد باہر نکلے، لیکن ابھی ایک بجنے میں بہت دیر تھی ۔

"کیا آپ واقعی اکیلے جائیں گے؟"

"ہاں بالکل ۔ ظہور کو واپس حاصل کرنے تک ہم کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے ۔ ایسے لوگ خطرناک ہوتے ہیں، جو کہتے ہیں،

بعض اوقات کر بھی گزرتے ہیں۔"

"ہوں! گویا ہم یہیں رہیں گے۔"

"بالکل! لیکن بے کار نہیں بیٹھو گے ۔ یہ غور کرو گے کہ مجرم کون ہے۔"

"جی بہتر ۔ آپ فکر نہ کریں ۔ آپ کے ظہور انکل کو لے کر آنے تک ہم یہ فیصلہ کر چکے ہوں گے کہ مجرم کون ہے۔" محمود بولا ۔

"بہت خوب۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

اور پھر ساڑھے بارہ بجے انسپکٹر جمشید رقم کا بریف کیس لے کر چلے گئے ۔

"آؤ بھئی ۔ ہم اندازہ لگائیں کہ مجرم کون ہے۔" محمود نے کہا ۔

"میرا خیال ہے ۔ یہ ذرا بھی مشکل نہیں۔" فاروق نے کہا ۔

"اگر اتنا ہی آسان ہے تو پھر بتاؤ ۔ مجرم کون ہے؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا ۔

"بتانے کو تو میں بتا سکتا ہوں، لیکن اس طرح تم شرمندہ ہو کر رہ جاؤ گے اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا ۔

"یہ کیا بات ہوئی ۔ چلو ہم وعدہ کرتے ہیں ۔ نہیں ہوں

گے شرمندہ۔" محمود مسکرایا۔

"تمھارے وعدہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر۔ اور کون وعدہ کرے؟"

"میں کیے لیتا ہوں وعدہ۔" خان رحمان بولے۔

"اب تو بتانا ہی ہو گا۔ سنو بھئی۔ میرے خیال میں یہ سارا چکر کاروں کے ڈیلر مسٹر ڈوئی چلا رہا ہے۔ اس طرح وہ چوری کی کاریں حاصل کر کے لاکھوں روپے کما لیتا ہے۔"

فاروق کی بات سن کر وہ سوچ میں ڈوب گئے، پھر فرزانہ نے کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ بات میں وزن ہے۔ لیکن صرف مسٹر ڈوئی مجرم نہیں ہو سکتے۔ یہ کام اکیلے آدمی کا تو ہے ہی نہیں۔"

"تب پھر اس کے ساتھ اختر رشید ملا ہوا ہو گا۔"

"لیکن ۔" محمود لیکن کہہ کر رک گیا۔

"لیکن کیا۔ خیر تو ہے۔ سانپ تو نہیں سونگھ گیا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لیکن۔ تم انور شیخ کو کس خانے میں فٹ کرو گے۔ مسٹر ڈوئی کے ہاتھوں کار تو اس نے فروخت کی ہے۔"

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ انور شیخ کو شامل کیے بغیر تو کیس مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔"

"مجھے تو یہ سبھی مجرم محسوس ہو رہے ہیں۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"خیر انکل سب تو نہیں ہو سکتے۔ ارے۔ ایک اور اہم آدمی کو تو ہم بھول ہی گئے۔ میرا مطلب ہے۔ سرفراز رنگو۔ کار میں خفیہ خانہ بنانے کا ماہر۔ انکل کی کار کے خفیہ خانے میں سے زیورات غائب ہیں۔ گویا کار اڑانے والے کو خفیہ خانے کے بارے میں معلوم تھا۔ نہ صرف معلوم تھا، بلکہ وہ اس خانے کو کھولنا بھی جانتا تھا، صاف ظاہر ہے۔ یہ کام سرفراز رنگو کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"لیجیے انکل۔ ایک کو شامل کر لیا اس نے۔ شاید آخر میں آپ کا خیال ہی ٹھیک ثابت ہو۔ یعنی یہ سبھی جرم میں شریک ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"کم از کم سرفراز رنگو ضرور جرم میں شریک ہے۔" فرزانہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہوں! سوال تو یہ ہے کہ جمشید کے آنے کے بعد تم انھیں کیا بتاؤ گے؟" خان رحمان بولے۔

"ہاں واقعی ۔ آخر ہم انھیں کیا بتائیں گے ۔ ابھی تک تو ہم کسی حتمی فیصلے تک پہنچے نہیں۔" محمود نے کہا۔

"تو فیصلہ کر لیتے ہیں ۔ بھئی کم از کم انور شیخ ضرور مجرم ہے ، کیوں کہ مسٹر ڈوئی کو کار اس نے فروخت کی ہے ۔ اگر وہ مجرم نہیں ہے تو کار اس کے پاس کہاں سے آئی ۔ اس کا جواب اس نے یہ دیا تھا کہ اس کے بھائی نے بیرونِ ملک سے اس کے لیے بھیجی تھی ۔ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی کار واقعی اسے بھیجی گئی ہو ۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ کار وہی ہو جو اس کو بھیجی گئی تھی ۔ عین ممکن ہے کہ وہ اور کار ہو اور اس کی نمبر پلیٹ انکل کی کار کو لگا دی گئی ہو۔"

"تب پھر ۔ اپنی کار کا وہ کیا کرے گا؟" فاروق بولا۔

"اس پر کسی پرانی کار یا حادثے میں تباہ ہونے والی کار کا نمبر لگایا جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"چلو ۔ یہ تو طے ہو گیا کہ کم از کم انور شیخ ضرور مجرم ہے ، اب اس شخص نے اور کس کس سے مدد لی ہو گی ، وہ کون ہے؟" فاروق نے ان کی طرف طنزیہ انداز میں کہا۔

"اختر رشید۔"

"اور سرفراز رنگو۔"

"ہو سکتا ہے ۔ وہ بھی شریک ہو ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شریک نہ ہو۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" خان رحمان نے اسے گھورا۔

"میں بتاتا ہوں ۔ انور شیخ اپنی کار سرفراز رنگو کے پاس لے گیا ہو گا ۔ اور اس نے اس میں خفیہ خانہ بنا دیا ہو گا ۔ ظاہر ہے ۔ اس طرح اسے دو باتیں معلوم ہو گئی ہوں گی ۔ ایک تو یہ کہ کار میں خفیہ خانہ کہاں ہوتا ہے ۔ اور دوسرے یہ کہ کس طرح کھلتا ہے۔"

"لیکن ہر خانہ ایک طرح تو نہیں کھلتا ہو گا۔"

"تھوڑی سی کوشش کر کے ہر خانہ کھولنے کی ترکیب معلوم کی جا سکتی ہے۔"

"ہوں خیر ۔ مطلب یہ کہ ہم ابا جان کو کچھ بتانے کے قابل ہو گئے ہیں ۔ اور اب سوائے ان کے انتظار کے ہمیں اور کوئی کام نہیں ہے۔"

"کیوں ۔ کام کیوں نہیں ہے ۔ کم از کم باتیں تو کر ہی سکتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ بھی کوئی کام ہے۔" فرزانہ بولی۔

"مجبوری ہے ۔ اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں سوجھ رہا ، اگر تمھاری عقل کام کرتی ہے تو تم بتا دو۔"

"انتظار کرنا کچھ کم مشکل کام نہیں ہے۔ اور ہم اب انتظار تو کریں گے ہی۔"

"کیوں نہ میں ایک کام بتا دوں۔" باورچی خانے سے آواز آئی۔

"اوہ۔ امّی جان۔ آپ ابھی تک باورچی خانے میں ہیں؟"

"تو اور کیا کروں۔ میں جانتی ہوں۔" وہ بولیں۔

"کیا جانتی ہیں؟"

"جوں ہی تمہارے ابّا جان، ظہور بھائی کو لے کر آئیں گے، تم سب کی بھوک چمک اُٹھے گی اور اس وقت سب ایک دم کھانے کا مطالبہ کریں گے۔ لہٰذا کیوں نہ میں پہلے سے تیار بیٹھوں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ تو یہ بات ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن امّی جان اگر ابّا جان کئی گھنٹے تک نہ آئے تو؟"

"تو کیا ہے۔ بیٹھی رہوں گی۔ آخر آپ بھی تو بیٹھے ہیں۔" وہ بولیں۔

"ہم تو آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔"

"اور میں باتیں سن رہی ہوں۔ بلکہ ان باتوں میں شامل بھی ہو رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے امّی جان۔ آپ جیت گئیں۔ ہم ہار گئے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ارے ارے۔ یہ ہار جیت کہاں سے ٹپک پڑی؟"

"یہ چیز تو امّی جان آج کل عام ملتی ہے۔"

اور وہ مسکرانے لگے۔ پھر اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک اُٹھے۔ جوش کا عالم طاری ہو گیا۔ انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔ دوڑ کر دروازے پر پہنچے اور پھر دروازہ کھول ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے دھک سے رہ گئے۔

سفید چٹان

"یہ ۔ یہ کیا ابا جان ۔ آپ تو تنہا واپس آئے ہیں ۔ نہ آپ کے ساتھ انکل ظہور ، نہ انکل کی کار ۔ اور نہ بریف کیس" فرزانہ نے بے تابانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں!" وہ بولے اور اندر آ گئے ۔

"خیر تو ہے جمشید؟"

"چوٹ ہو گئی ۔ انھوں نے دھوکا کیا"

"کیا!" وہ چلا اُٹھے ۔

"میں مشرقی پہاڑیوں پر پہنچا تو ایک طرف سے ٹارچ کی روشنی نظر آئی ۔ میں اس طرف بڑھتا چلا گیا ۔ یہاں تک کہ ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی ۔ اس آواز نے کہا کہ بس ۔ اور آگے نہ بڑھو ۔ بریف کیس سفید چٹان پر رکھ دو ۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا ۔ ایک چٹان پر چونا انڈیلا گیا تھا ۔ وہ اس کو سفید چٹان کہہ رہا تھا ۔ میں نے بریف کیس

سفید چٹان پر رکھ دیا ۔ اس کے بعد آواز پھر سنائی دی ۔ اس نے کہا ۔ بس اب واپس چلے جاؤ ۔ میں نے کہا ۔ واپس کس طرح چلا جاؤں ۔ ظہور احمد ملازم کہاں ہے ۔ اس نے بتایا کہ جنوبی سڑک کے ساتویں کلو میٹر پر ظہور کار کے اندر بے ہوش پڑا مل جائے گا ۔ میں نے یہ سن کر کہا ۔ کہ اگر یہ بات غلط ہوئی تو ۔ اس پر اس نے کہا کہ میں اعتبار کرنے پر مجبور ہوں ۔ اور خان رحمان ۔ میں واقعی مجبور تھا ۔ مجھے نہیں معلوم تھا ۔ کہ وہ کس جگہ سے بات کر رہا ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس کے ہاتھ میں ظاہر ہے پستول رہا ہوگا ۔ میں اس جگہ سے آگے بڑھ کر اسے تلاش بھی نہیں کر سکتا تھا ۔ مجبوراً واپس ہوا ۔ جنوبی سڑک پر پہنچا ۔ لیکن وہاں ۔ ساتویں کلو میٹر پر کار اور ظہور کا کہیں پتا نہیں تھا ۔ میں کئی کلو میٹر آگے تک دیکھ آیا ہوں"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا ۔ سب سکتے کے عالم میں رہ گئے ۔

"اب ۔ اب کیا کیا جائے؟"

"ہم تفتیش کے ذریعے مجرم تک پہنچیں گے" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی

سے ریسیور اُٹھایا:

"ہیلو - انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"آپ کے دوست گھر پہنچ گئے۔" انھوں نے وہ آواز سُنی جو پہاڑیوں میں سُنائی دیتی رہی تھی۔

"ہاں میرے چالاک مُجرم - تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔"

"کیا اچھا نہیں کیا؟"

"رقم وصول کر لی، لیکن کار اور مُلازم کو واپس نہیں کیا۔"

"یہ سودا اتنا سستا بھی تو نہیں ہو سکتا۔" دُوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیا مطلب؟"

"سُنیے انسپکٹر جمشید- اور اپنے دوست خان رحمان کو بھی سُنا دیں - اگر آپ لوگ ظہور کی زندگی چاہتے ہیں تو میرے اور مطالبات ماننے کے لیے تیار ہو جائیں - دیکھنا یہ ہے کہ تم لوگ ایک مُلازم کے لیے کہاں تک قربانی دو گے۔"

"اوہ - تو یہ بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ بولا۔

"کیا تم سمجھتے ہو- تم محفوظ رہو گے؟"

"ہاں بالکل - مَیں وہ مجرم نہیں جو غلطیاں کر جاتے ہیں اور ان غلطیوں کی بنا پر پکڑے جاتے ہیں - مَیں نے یہ

منصوبہ بہت سوچ سمجھ کر بنایا تھا - اور ایک ماہ تک اس پر دن رات غور کیا ہے۔"

"اس کے باوجود تم سے غلطی ضرور ہوئی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو غلطی پکڑ لو - اور مجھے گرفتار کر لو۔"

"اچھی بات ہے - مَیں ضرور یہی کروں گا۔"

"فی الحال تو تم یہ سُن لو - کہ کل رات پھر دس لاکھ روپے۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اوہ - لیکن کہاں؟"

"کل بتایا جائے گا - تم لوگ رقم بالکل تیار رکھنا - رقم وصول کرنے سے صرف پندرہ منٹ پہلے فون کروں گا - تاکہ تم میری گرفتاری کے کوئی انتظامات نہ کر سکو۔"

"ہُوں - اچھی بات ہے - تمھارا چیلنج مجھے منظور ہے - کل رات سے بہت پہلے تم حوالات میں ہو گے۔"

"یہ گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دو انسپکٹر صاحب - مَیں بچّہ نہیں ہُوں۔"

"خیر خیر - معلوم ہو جائے گا۔"

دُوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا - انسپکٹر جمشید نے بھی ریسیور رکھ دیا اور انھیں گفتگو بتا دی۔

"پھر۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"ہم آرام کیے بغیر کام جاری رکھیں گے۔ تم نے اس وقت تک کیا اندازہ لگایا ہے؟"

"ہمارے خیال میں تو انور شیخ مجرم ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں نے بھی یہی اندازہ لگایا تھا۔ آؤ چلیں۔ ہم اسی وقت اس سے ملاقات کریں گے۔"

وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیگم۔ تم دروازہ بند کرکے آرام کرو۔"

"آرام کیسے کروں گی۔ میں فون پر سلمیٰ کا دل بہلاتی رہوں گی۔"

"اوہ اچھا۔ یہ زیادہ بہتر کام ہوگا۔" وہ بولے۔

کار میں بیٹھ کر وہ ماڈل سٹی پہنچے۔ سارا شہر نیند کی آغوش میں تھا۔ ایک وہ تھے۔ جن کی آنکھوں میں نیند دُور دُور تک نہیں تھی۔ کوٹھی نمبر ۷۰۸ کے سامنے وہ کار سے اُترے۔ محمود نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اندر کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دی۔ لیکن ایک منٹ گزرنے پر بھی کوئی دروازہ کھولنے نہ آیا۔ اب اس نے پھر گھنٹی بجائی۔ تین مرتبہ کافی دیر تک گھنٹی بجائی گئی، لیکن کوئی نہ آیا۔

"اب کیا کریں؟"

"ہم اندر داخل ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔" فاروق نے کہا اور کوٹھی کے دائیں بائیں کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھ گیا، پھر واپس آ کر بولا:

"ایک پائپ چھت تک جا رہا ہے۔"

"تو پھر۔ تم بھی جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

فاروق پائپ کے ذریعے اُوپر چڑھ گیا۔ پھر بیرونی دروازہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ انھوں نے پوری کوٹھی کا جائزہ لیا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ چیزوں کا جائزہ لیا۔ الماریوں وغیرہ کو دیکھا گیا۔ سیف کو کھولا گیا، لیکن کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ آخر تنگ آ کر وہ باہر نکلے۔ اور ساتھ والی کوٹھی کے دروازے کی گھنٹی بجائی، جلد ہی دروازہ کھلا۔ اور نیند میں ڈوبی ایک آواز سُنائی دی:

"جی فرمائیے۔"

"معاف کیجیے۔ آپ کو ناوقت تکلیف دی۔"

"کوئی بات نہیں۔ فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ کے پڑوسی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ہم۔"

"میں ان کے بارے میں شاید آپ کو کچھ زیادہ نہ بتا سکوں۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"میں ہی کیا۔ کوئی بھی نہیں بتا سکے گا۔"

"جی۔ آخر کیوں۔ ایسی کیا بات ہے؟"

"میں عرض کرتا ہوں۔ ان صاحب کا نام انور شیخ ہے۔ یہ دراصل اس کوٹھی میں کرائے دار ہیں۔ کسی بھی محلے والے سے کوئی بات نہیں کرتے۔ نہ کسی سے کچھ لینا۔ نہ کسی کو کچھ دینا۔ صبح گھر سے نکل جانا اور رات گئے لوٹنا۔ ان کا معمول ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ یہ حضرت دن بھر اور رات گئے تک کہاں رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں، محلے والے ان کے بارے میں کافی الجھن کا شکار ہیں۔ ہم نے کوٹھی کے مالک سے بھی ان کے بارے میں ایک دو بار بات کی۔ لیکن انھوں نے یہی کہا کہ جب تک ان کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ اس وقت تک تو شکایت کرنا درست نہیں۔ کوٹھی کے مالک کی یہ بات درست ہے، اس لیے محلے والے کچھ نہ کر سکے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔"

"ہوں۔ لیکن آپ کے پڑوسی۔ آج اس وقت بھی گھر

میں نہیں آئے۔"

"یہ صاحب بارہ بجے تک تو آ ہی جاتے ہیں۔ آج کہیں رہ گئے ہوں گے۔ بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"لیکن آپ کو ان سے کیا کام ہے؟"

"ایک عجیب سا کام۔ ارے ہاں۔ یہ تو بتائیے۔ ان کے پاس کوئی کار بھی ہے؟"

"کار۔ نہیں جناب۔ ہم نے انھیں صبح پیدل جاتے ہی دیکھا ہے۔ اور رات کو تو دیکھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوتا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ہمارے خیال میں یہ شخص جرائم پیشہ ہے۔"

"اوہ۔ کیا واقعی۔" وہ چونکا۔

"جی ہاں! اس وقت تک کی تحقیقات یہی کہتی ہیں! تاہم آپ فکر مند نہ ہوں۔ یہ شخص خطرناک قسم کا جرائم پیشہ نہیں ہے۔ اور اب یہ شاید ہی واپس آئے گا۔"

"یہ۔ یہ تو بہت اچھا ہو گا۔"

"ہاں۔ آپ کوٹھی کے مالک کا نام پتا بتا سکتے ہیں۔"

"ضرور جناب۔ کیوں نہیں۔ وہ تو ماڈل سٹی میں ہی رہتے ہیں۔ ان کا نام کبیر خان ہے۔ اور کوٹھی کا نمبر ۲۵، ہے۔"

"بہت بہت شکریہ – آؤ بھئی چلیں۔"

کوٹھی نمبر ۲۵، کے سامنے وہ کار سے اُترے اور دستک دی، جلد ہی وہ کبیر خان سے باتیں کر رہے تھے:

"آپ کا کرایہ دار انور شیخ غائب ہے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

"کچھ بھی نہیں – آپ نے اس سے کوئی کرایہ نامہ تو لکھوایا ہو گا۔"

"بالکل – میں کچے کام کبھی نہیں کرتا۔"

"بہت شکریہ – مہربانی فرما کر وہ کرایہ نامہ ذرا ہمیں دکھا دیں۔"

"لیکن آپ اس کا کیا کریں گے؟"

"انور شیخ دراصل ایک جرائم پیشہ ہے – ہم اس کے ہاتھ کی تحریر اور دستخط دیکھنا چاہتے ہیں، شاید ان سے کوئی مدد مل جائے۔"

"بہت بہتر – میں ابھی لا دیتا ہوں۔"

جلد ہی وہ کرایہ نامہ کی فائل لے آیا –

"ہم یہ فائل آپ کو ایک دو دن تک لوٹا دیں گے – یہ میرا کارڈ ہے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے کارڈ ان کے سامنے کر دیا – ان کا نام پڑھ کر وہ حیران رہ گئے:

"اوہو اچھا – تب تو یہ کوئی اہم معاملہ ہے۔"

"بس اہم ہی سمجھ لیں۔"

"فائل آپ شوق سے رکھیں جناب۔" انھوں نے کہا۔

وہ فائل لے کر چل پڑے – ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے:

"کسی طرح سرفراز رنگو کے گھر کا پتا معلوم کرنا چاہیے – ورنہ ہمیں صبح تک انتظار کرنا پڑے گا۔"

"تو پھر – اس کی دکان پر چلے چلتے ہیں – وہاں کسی سے معلوم کر لیتے ہیں۔" محمود بولا۔

"لیکن بازار میں اس وقت کون ہو گا؟"

"چوکیدار۔"

"ویری گڈ – ٹھیک ہے – چوکیدار سے ہی معلوم کریں گے۔"

جلد ہی وہ سرفراز رنگو کی دکان پر پہنچ گئے – چوکیدار خود ہی ان کی طرف آ گیا –

"کیا بات ہے جناب – آپ کون ہیں اور کیا کرتے پھر رہے ہیں؟" اس نے انھیں شک کی نظروں سے دیکھا۔

"ہمیں سرفراز رنگو سے ضروری کام ہے۔" انھوں نے کہا۔

"سرفراز رنگو – تو یہاں سے کافی دور رہتا ہے۔"

"تو آپ اس کے گھر سے واقف ہیں؟"

"ہاں! واقف تو ہوں، لیکن نمبر نہیں معلوم۔"

"گویا آپ خود چل کر مکان دکھا سکتے ہیں۔"

"ہاں! لیکن میں ڈیوٹی چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے ساتھ چلیے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اپنا تعارف کروایا، پھر بولے:

"میں سڑک پر سے کوئی کانسٹیبل یہاں بھیج دوں گا۔ آپ کے واپس آنے تک وہ یہاں نگرانی کرتا رہے گا۔"

"ٹھیک ہے جناب۔ میں تیار ہوں۔"

اس طرح وہ سرفراز رنگو کے گھر پہنچے۔ کار سے اتر کر دروازے پر آئے اور پھر دھک سے رہ گئے۔

ایک بڑا سا تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

چکر در چکر

"لو بھئی۔ سرفراز رنگو بھی غائب ہے۔ ان دونوں پر ہی تمھیں شبہ تھا۔ اور دونوں ہی غائب ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اب۔ اب کیا ہوگا جمشید؟" خان رحمان گھبرا گئے۔

"فکر نہ کرو۔ وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"رہ گیا اختر رشید۔ اس کو ہمارے سامنے ہی راجا رام عزیز نے ملازمت سے نکال دیا تھا۔ ورنہ ہم اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ پیغام دینے والے کا حلیہ تو وہ بتا ہی سکتا تھا۔ پہلے اس نے حلیہ بتاتے وقت غلط بیانی سے کام لیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ ابھی نہ گیا ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہمارے سامنے ہی۔"

"اوہو- بھئی- ہو سکتا ہے، بعد میں اس نے یہ درخواست کی ہو کہ رات گزار کر چلا جائے گا۔"

"ارے ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔"

"ٹھہرو- میں فون کر کے معلوم کرتا ہوں۔"

"لیکن - راجا رام عزیز کا فون نمبر-"

"ہاں! یہ بھی مشکل ہے- جتنی دیر فون نمبر معلوم کرنے میں لگے گی، اتنی دیر میں تو ہم ان کی کوٹھی پہنچ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر- کوٹھی ہی چلے چلتے ہیں، کیوں کہ اگر اختر رشید ابھی گیا نہیں ہوگا، تب بھی تو ہمیں وہاں جانا پڑے گا۔"

"بالکل ٹھیک۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

وہ راجا رام عزیز کی طرف چل پڑے-

"آج شاید لوگوں کی رات کی نیند خراب کرنے کا دن ہے۔" فاروق بڑبڑایا-

"دن نہیں - رات۔" فرزانہ بولی-

"ہم صرف لوگوں کو نہیں جگا رہے- خود بھی جاگ رہے ہیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ہمارا جاگنا اور ہے- لوگوں کا جاگنا اور۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا-

"اب صرف اتنی سی بات پر ہی جھگڑا نہ شروع کر دینا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہتر- نہیں کریں گے- سن لیا تم نے فاروق۔" محمود نے کہا-

"میں تمہارے کانوں سے نہیں- اپنے کانوں سے سنتا ہوں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"دھت تیرے کی۔"

"بے موقع دھت تیرے کی کہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اب موقع کون تلاش کرتا پھرے۔" خان رحمان بولے۔

"بس بھئی - ہم راجا صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے۔"

"یا اللہ - یہاں تو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔" خان رحمان بولے - شاید وہ ظہور کے لیے کچھ زیادہ ہی پریشان تھے۔

"پریشان نہ ہوں انکل۔"

"بھئی- پریشان کس طرح نہ ہوں- ظہور کا معاملہ ہے- جو مجھے بہت زیادہ عزیز ہے۔"

"یہ - یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" محمود حیران رہ گیا۔

"کک - کیوں- کیا ہوا؟"

"آپ تو اسے اکثر کان پکڑواتے رہتے ہیں۔"

"ہاں! وہ عزیز ہے - اسی لیے تو کان پکڑواتا ہوں -اگر

عزیز نہ ہوتا تو ملازمت سے نکال باہر نہ کیا ہوتا۔"
"واقعی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"
"ویسے میں اس موقعے پر ایک دعا مانگتا ہوں۔"
"جی۔ دعا۔ دعا ضرور مانگیے۔ دعا مانگنی بھی چاہیے۔"
"اور دعا یہ ہے کہ اگر ظہور مجھے زندہ سلامت مل گیا تو میں آیندہ اسے کبھی۔ کان نہیں پکڑواؤں گا۔"
"بھئی واہ۔ بہت اچھی دعا ہے۔ لہٰذا ہم بھی آمین کہے دیتے ہیں۔"
محمود نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ اور چند سیکنڈ تک دبائے رہا۔ آخر دروازہ کھلا اور راجا صاحب کی صورت دکھائی دی:
"اوہو۔ آپ لوگ ہیں۔ اور آپ۔ آپ تو شاید انسپکٹر جمشید ہیں۔"
"جی ہاں!" انھوں نے کہا اور ہاتھ ملایا۔
"آئیے۔ ویسے میں حیران ہوں۔ اتنی رات گئے کیسے تکلیف کی۔"
"رات گئے ہوگا آپ کے لیے جناب۔ ہمارے لیے رات گئے ہوتا ہی نہیں۔" فاروق نے مسمی صورت بنا کر کہا۔
"کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔"
"اس کی باتیں ذرا مشکل سے ہی سمجھ میں آتی ہیں جناب۔"

فرزانہ نے منہ بنایا اور فاروق اسے گھور کر رہ گیا۔ اس کے گھورنے پر فرزانہ مسکرا دی۔
"اختر رشید جا چکا ہے۔ یا نہیں؟"
"کہاں گیا ہے کم بخت۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد پھر آ دھمکا تھا اور میرے پاؤں پڑ گیا۔ مجبور ہو کر میں نے اسے معاف کر دیا۔" انھوں نے کہا۔
"یہ اچھا ہی ہوا۔ ہمیں اس سے ہی کام ہے۔"
"میں ابھی بلا دیتا ہوں۔ ویسے اُٹھ کر دروازہ اسے کھولنا چاہیے تھا۔ شاید آج گہری نیند سو گیا۔"
وہ انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلے گئے، پھر نیند میں ڈوبا ہوا اختر رشید اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ راجا صاحب بھی تھے:
"یہ لوگ تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"
"جی فرمائیے۔" اس نے کہا۔
"اس آدمی کا حلیہ پوری طرح بتاؤ اختر۔ جس نے تمھیں وہ رقعہ اور پچیس روپے دیئے تھے۔"
"میرا خیال ہے۔ میں پہلی ملاقات کے موقعے پر اس کا حلیہ بتا چکا ہوں۔" اس نے کہا۔
"ہاں! آپ نے بتایا تھا، وہ لمبے قد اور لمبے چہرے والا

آدمی تھا، لیکن اتنے سے حلیے سے ، ہمارا کام نہیں بنتا ، آپ کچھ
اور یاد کریں۔"

" میں کیا یاد کروں ۔ ظاہر ہے ۔ میں نے اسے اتنے غور سے
تو نہیں دیکھا تھا۔"

" نہیں مسٹر اختر رشید ۔ آپ پکڑے گئے۔" انسپکٹر جمشید نے
مسکرا کر کہا۔

" جی کیا مطلب ۔ پکڑا گیا۔"

" ہاں ! آپ بھول گئے ۔ جب محمود، فاروق اور فرزانہ یہاں
آئے تھے اور انھوں نے آپ کے بارے میں راجا صاحب سے
بات کی تھی تو۔" وہ کہتے کہتے رک گئے۔

" تو کیا۔ آپ رک کیوں گئے۔"

" تو انھوں نے ایک بات بتائی تھی ۔ اور وہ یہ کہ آپ پہلے
بھی اسی طرح کے کام کرتے رہے ہیں ، یعنی لوگوں کو پیغامات
پہنچانے کا کام کرتے رہتے ہیں اور اس طرح پیسے بناتے رہتے
ہیں ، پھر لوگ پوچھ گچھ کے لیے یہاں آجاتے ہیں ۔ اس
طرح راجا صاحب کو شرمندگی ہوتی ہے ۔ اس لیے تنگ آ
کر انھوں نے آج آپ کو ملازمت سے ہی نکال دیا ۔ کیوں
ٹھیک ہے نا۔"

" ہاں !" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا ۔

" لیکن آپ جو پیغامات دوسروں کو پہنچاتے ہیں ، وہ فرضی نہیں
ہوتے ۔ ان پیغامات کا تعلق تو وارداتوں سے ہوتا ہے۔"

" جی ۔ کیا مطلب ؟" راجا رام عزیز اچھل پڑے۔

" جی ہاں ! مثال کے طور پر میں عرض کرتا ہوں ۔ یہ ایک
پیغام لے کر میرے دوست خان رحمان کے ہاں گئے تھے ۔ اس
پیغام کا تعلق ایک مجرم سے تھا ۔ اس مجرم نے ان کے ملازم
کو ان کی کار سمیت اغوا کر لیا تھا اور وہ انھیں پیغام دینا چاہتا
تھا ؛ چنانچہ اس نے مسٹر اختر رشید کے ذریعے پیغام بھیج دیا ۔
لیکن سوال یہ ہے کہ وہ شخص صرف اختر رشید کے ذریعے
ہی کیوں پیغام بھیجتا رہا ہے ۔ یہ کام تو وہ کسی بھی راہ چلتے آدمی
سے لے سکتا تھا۔"

" میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" راجا
رام عزیز نے الجھن کے عالم میں کہا۔

" لیکن آپ کا ملازم ساری بات اچھی طرح سمجھ رہا ہے۔"

" م ۔ میں کیا سمجھ رہا ہوں۔" اختر رشید گھبرا کر بولا ۔

" اب تم ہمیں صرف یہ بتا دو کہ انور شیخ کہاں ہے۔"

" میں بتا دوں۔"

" ہاں بھئی ۔ ورنہ پھر صبح ہونے پر تو تمھارا جرم بالکل
ظاہر ہو جائے گا۔"

" کیا کر رہے ہیں انسپکٹر صاحب ۔ یہ خود مجرم ہے۔" راجا رام عزیز نے گھبرا کر کہا۔

" بالکل ۔ اس میں کیا شک ہے ۔ یہ برابر کا مجرم ہے ۔ صبح ہم ان لوگوں کو تھانے میں طلب کریں گے جن کی کاریں غائب ہیں ۔ ایسے لوگوں کو ضرور اختر رشید نے خود پیغامات دیے ہوں گے جا کر ۔ یہ اس شخص کا باقاعدہ ساتھی ہے۔"

" اوہ نہیں ۔"

" ابھی چند منٹ بعد یہ بات ثابت کر دوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے پُریقین انداز میں کہا۔

" کک ۔ کیسے ؟"

" محمود اکرام کو فون کرو ۔ اس سے کہنا کہ فائل نمبر انیس لیتا آئے اور کچھ امتحانی شکنجے بھی۔"

" جی بہتر ۔"

" امتحانی شکنجے ۔ کیا مطلب ؟"

" ذرا ان کے ہاتھوں میں ایک دو چیزیں پہنا کر ان سے سوالات کریں گے ، پھر دیکھیے گا ، یہ کس طرح فرفر بولیں گے۔"

" نن ۔ نہیں ۔ نہیں ۔" اختر رشید کانپ اٹھا۔

" لیکن ابا جان ۔ آپ نے فائل کیوں منگوائی ہے ؟"

" میرا خیال ہے ۔ اس فائل میں اس کی تصویر موجود ہے ۔

حلیے میں تھوڑا سا فرق ضرور ہو گا ۔ لیکن وہ فرق ہم دور کر لیں گے۔"

" اوہ ۔ تو یہ پرانا مجرم ہے۔"

" ہاں ! پہلے بھی یہ کار چوروں کے ایک گروہ میں شامل تھا ۔ اب اس نے اپنے ساتھی انور شیخ کے ساتھ مل کر نئے انداز سے وارداتیں شروع کیں ، لیکن ان سے غلطی ایک ہوئی ، پہلے یہ جس گروہ میں شامل تھے ۔ وہ گروہ صرف کاریں چوری کرتا تھا ، لیکن انھوں نے نیا طریقہ اختیار کیا ۔ کہ ساتھ میں کار والے کو بھی اغوا کرنے لگ گئے ۔ تاکہ بعد میں موٹی رقم بھی حاصل کی جا سکے ۔ اور اس مرتبہ تو حد ہی کر دی ۔ موٹی رقم لے کر بھی ظہور کو واپس نہیں کیا ۔ مطلب یہ کہ اب ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے رسی کھینچ لی ۔ پہلے وہ ڈھیل دیتا رہا۔"

" اُف ۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں ۔ میرا ملازم اور کار چور ، انسانوں کو اغوا کرنے والا ۔"

" جی ہاں ! خود کو چھپانے کے لیے ایسے گھروں میں ملازمت ضروری ہے ۔ ادھر انور شیخ نے ایک کوٹھی کرائے پر لے رکھی تھی ۔ تاکہ کاروں کے سودے کرنے میں دقت نہ ہو ۔ ظاہر اس نے یہ کیا ہوا ہے کہ وہ بہت بڑا ٹھیکیدار ہے ۔ اور

روز نت نئی کاریں خریدتا رہتا ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر
بیچ دیتا ہے۔ کوئی کار کسی شوروم کو بیچ دی۔ کوئی کسی کو۔
شہر میں اتنے تو شوروم ہیں۔ کیا پتا لگتا ہے، پھر یہ
روز وارداتیں نہیں کرتے رہے ہوں گے۔ مہینے میں یا دو مہینے
میں ایک واردات۔ اس طرح شور زیادہ نہیں مچتا۔ لیکن
آخر کب تک۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔"

"کیوں اختر۔ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" راجا رام عزیز بولے۔

"جی نہیں۔ میں ایسا کوئی کام نہیں کرتا۔"

"بھئی اب جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب۔ میرا تعلق کار چور گروہ
سے ہرگز نہیں رہا۔ اور نہ ہے۔"

"جب میں تمہارے چہرے پر سے یہ مونچھیں منڈواؤں
گا۔ اور یہ تین کالے تل کھرچوں گا تو پھر بات کرنا۔" انسپکٹر
جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

"نہیں۔" اختر رشید زور سے چلایا۔ ساتھ ہی اس نے
دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی، لیکن اوندھے منہ گرا، کیونکہ
بجلی کی سی تیزی سے محمود نے ٹانگ آگے کر دی تھی۔

"دراصل اسے سرکاری ٹانگ کہتے ہیں۔" محمود بولا۔

"اگر یہ سرکاری ٹانگ ہے تو پھر غیر سرکاری ٹانگ کون

سی ہوتی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمہاری۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"محمود، فاروق۔ تم دونوں دروازے پر کھڑے ہو جاؤ۔
کہیں یہ پھر بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔"

"فکر نہ کریں ابا جان۔ ہم اسے بھاگنے نہیں دیں گے۔"

عین اسی وقت محمود اور فاروق کو ایک زوردار دھکا
لگا۔ وہ اوندھے منہ گرے۔ ساتھ ہی دروازے کی طرف سے
کسی نے انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگائی۔ وہ بالکل بے خبر تھے،
کم از کم دروازے کی طرف سے حملہ ہونے کی انہیں ایک فیصد
بھی امید نہیں تھی۔ لیکن جوں ہی دشمن ان کے اوپر گرا۔
انہوں نے اسے اچھال پھینکا۔ تاہم وہ بھی تیزی سے اٹھا۔
اور اپنا دایاں پاؤں انسپکٹر جمشید نے سینے پر دے مارا۔ وہ
کروٹ بدل گئے۔ اس کا پیر قالین پر لگا۔ اس نے جھلا کر
ان پر چھلانگ لگا دی۔ وہ ابھی اٹھ ہی رہے تھے۔ کہ پھر گر
گئے۔ وہ بھی ان کے اوپر گرا، لیکن انہوں نے فوری طور پر
اسے پھر اچھال دیا۔ اس بار وہ دروازے کے پاس گرا۔ اور
پھر نہ اٹھ سکا۔

"یہ یہاں۔ کیا ہو رہا ہے۔" انہوں نے اکرام کی حیرت زدہ
آواز سنی۔

"دھینگا مشتی کر سکتے ہیں اسے۔" فاروق بولا۔

"لیکن ایسی بھی کیا جلدی۔ میرا انتظار تو کر لیا ہوتا۔"

"ہاں! بس۔ یہ غلطی ہو گئی۔" فاروق نے کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود بھنا کر بولا۔

"کس کا۔ تمہارا۔"

"نہیں تمہارا۔ کہ رہے ہو۔ غلطی ہو گئی، حالاں کہ حملہ تو مسٹر انور شیخ نے کیا تھا۔ ہم تو بڑے آرام سے کھڑے تھے۔"

"ارے ہاں واقعی۔ میں تو بھول ہی گیا۔" فاروق بولا۔

"لیکن یہ سب کیا ہے۔"

"فائل نمبر انیس لائے ہو یا نہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں۔ یہ رہی۔"

"دیکھو۔ اس میں اس شخص کی تصویر ہے یا نہیں۔" انھوں نے اختر رشید کی طرف اشارہ کیا، پھر بولے:

"لیکن خیال رہے۔ تصویر مونچھوں کے بغیر ہو گی۔ اور چہرے پر سیاہ تل بھی نہیں ہوں گے۔"

"اوہ میں سمجھ گیا۔ تاڑا ہے۔ کار چور۔"

"دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا۔ یہ کار چور رہ چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید چہکے۔

"اور یہ۔ انور شیخ۔" محمود نے کہا۔

اکرام نے انور شیخ کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نظریں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ آخر اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا:

"اوہو۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"جو دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں بھی بتا دیں۔ ہماری تو شاید نظریں کمزور ہو گئی ہیں۔" فاروق منمنایا۔

"یہ۔ یہ جسے آپ انور شیخ کہ رہے ہیں۔ کھنڈو ہے۔ سابقہ کار چور گروہ کا سرغنہ۔"

"اوہو اچھا۔ یہ تو نئی بات معلوم ہوئی۔" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"لیکن ابا جان۔ انکل ظہور کہاں ہے۔ انکل کی کار کہاں ہے؟"

"یہ بات یہ بتائے گا۔ میں تو پہلے ہی بہت باتیں بتا چکا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ بتاتے بتاتے تھک بھی تو گئے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تھکنے کی بھی ایک ہی کہی۔ یوں تو امی جان بھی ہمارا انتظار کرتے کرتے تھک چکی ہوں گی۔"

"بس بھئی۔ اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ایک بات سمجھ

میں آتی ہے۔ انور شیخ عرف کھنڈو اچانک یہاں آ گیا۔ یا تو یہ ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔ یا پھر یہ اختر رشید کے کوارٹر میں چھپا ہوا تھا۔ اکرام۔ ذرا کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر کو دیکھ کر آنا۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔

واپس آیا تو اس کے ساتھ ظہور بھی تھا۔ اس کے ہاتھ اب تک بندھے ہوئے تھے۔ منہ پر ٹیپ چپکی ہوئی تھی۔ اور پیروں کی رسیاں اکرام کاٹ چکا تھا۔

"ہائیں۔ انکل ظہور۔ یہ۔ یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔" فاروق چلایا۔

"بنا نہیں رکھی۔ بنا دی گئی ہے۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر۔ پہلے تو انہیں بولنے کے قابل بنانا چاہیے۔"

انھوں نے ظہور کے منہ سے ٹیپ اُتار دی۔

"اُف مالک۔" ظہور کے منہ سے نکلا۔

"انکل۔ کیا یہ بھی آپ کے ساتھ کوارٹر میں تھا؟" محمود نے انور شیخ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں! رات ہوتے ہی آ گیا تھا۔"

"اوہ۔ بریف کیس پر چپکا دیے گئے کاغذ پر پتا کس کا لکھا تھا؟"

"انور شیخ ۔۔۔، ماڈل سٹی۔" ظہور نے کہا۔

"کاش! انکل خان رحمان بھی اس پتے کو پڑھ لیتے۔ اس صورت میں یہ چکر طول نہ کھینچتا۔" محمود بولا۔

"اب کیا خیال ہے۔"

"ارے۔ وُہ بے چاری کار رہ گئی۔"

"کار کا معاملہ صبح طے کریں گے۔ سرفراز رنگو کو بھی پکڑنا ہے۔ کھنڈو نے تو کار مسٹر ڈوئی کو فروخت کر دی اور ڈوئی سے کسی نے خرید لی۔ اب ہم اس سے مل کر کار واپس لیں گے۔ کھنڈو سے وصول ہونے والی نقدی میں سے ڈوئی کی رقم ادا کریں گے اور ڈوئی خریدار کی رقم واپس دے گا۔ وُہ ہمیں کار دے گا۔"

"یہ۔ یہ تو کار کا چکر ہو گیا۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں۔ چکر تو یہ انکل ظہور کا بھی ہو گیا۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"تت۔ تو۔ چکر در چکر کہو نا بھئی۔ ارے۔ یہ۔ یہ تو۔"

فاروق نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

محمود اور فرزانہ بُرے بُرے منہ بنانے لگے، جب کہ انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کے چہروں پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں۔
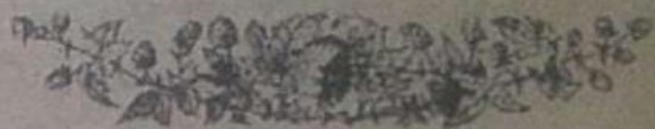
ظہور کا اغوا

کا انعامی سوال

س: مجرم نے کیا جھوٹ بولا تھا؟

- پانچ قارئین کو آئندہ دو ماہ کے ناول فی کس انعام میں دیے جائیں گے۔
- موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کی جائے گی۔
- جواب کاپی سائز کاغذ پر لکھیں۔
- ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتا ضرور لکھیں۔
- تمام جوابات ایک ہی لفافے میں ارسال کیے جا سکتے ہیں۔
- جوابات ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۹۲

ناسور

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ○ خاور شرکانی کی کوٹھی میں داخل ہوتے ہی فرزانہ چونک اٹھی —
- ○ اور پھر تینوں نے ایک عجیب اعلان کیا —
- ○ انور شمو سے ملے۔ وہ کون تھا —
- ○ کئی گاڑیوں کے ٹائر پنکچر تھے —
- ○ پنکچر کرنے والا ان کے سامنے کھڑا تھا —
- ○ وہ ان سے کیا چاہتا تھا —
- ○ آپ نے اس قدر حیرت انگیز کہانی پہلے شاید کبھی نہیں پڑھی ہو گی —

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۹۳

غلط آدمی

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ○ ایک لڑکی جو ٹرین کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی تھی —
- ○ فاروق اس کی رفتار دیکھ کر دھک سے رہ گیا —
- ○ پھر انسپکٹر جمشید نے انہیں ایک عجیب حکم دیا —
- ○ حکم یہ تھا کہ اس لڑکی کا پیچھا کرو —
- ○ اس قدر تیز دوڑنے والی لڑکی کا تعاقب آسان کام نہیں تھا، لیکن انہیں تعاقب کرنا پڑا —
- ○ انسپکٹر جمشید کو زنجیر کھینچ کر ٹرین روکنی پڑی —
- ○ ٹرین میں کیا ہوا تھا —
- ○ ہر لمحے سسپنس میں اضافہ —

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۹۲

آواز کے قیدی

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ڈی آئی جی صاحب کو اہم پیغام ملا تھا —
- انھوں نے انسپکٹر کامران مرزا کو بلا بھیجا —
- ادھر آفتاب، آصف اور فرحت کو سڑک پر ایک ڈھیر پڑا نظر آیا —
- وہ ڈھیر کس چیز کا تھا —
- اور اس ڈھیر کے ذریعے وہ کہاں پہنچے —
- ایک خوف ناک مقام — جہاں وہ خود گئے —
- آخری لمحات میں آپ پر سکتے کی حالت طاری ہو جائے گی —

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۵۲

اپنی چوری

— مصنف: اشتیاق احمد —

- لیجیے — اس بار شوکی کے اپنے گھر واردات ہو گئی —
- چور گھر میں کس طرح داخل ہوا —
- شوکی برادرز نے اپنی چوری کی تفتیش کس طرح اور کن خطوط پر کی —
- آپ قدم قدم پر مسکرائیں گے —
- پیر بھائی سے ملیے — کہیں آپ کے محلے میں بھی تو ایسا کردار موجود نہیں —
- اپنی چوری کا کیس حل کرنے کا معاوضہ انہیں کیا ملا، ایک دلچسپ سوال
- یہ ناول آپ کے ذہنوں میں ایک سوال پیدا کرے گا —

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ۱۷

سازشی مرکز

مصنف: آفتاب احمد

- ایک شخص پاک لینڈ میں انسپکٹر ارسلان کو ایک اطلاع دینے آیا۔ اطلاع کیا تھی۔ آپ چونک پڑیں گے۔
- انہیں اس شخص کے پیچھے جے شین جانا پڑا۔
- ایک ظالم شخص سے ٹکراؤ۔
- ایک بچی کا باپ اس ظالم سے انتقام نہ لینے پر کیوں مجبور تھا۔
- دنیا کا ذہین ترین انسپکٹر، انسپکٹر ارسلان ایک بچی کے سوال کا جواب نہ دے سکا۔ سوال کیا تھا؟
- ایسے سازشی مرکز کے بارے میں آپ نے پہلے کبھی نہیں پڑھا ہوگا۔

قیمت: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

متفرق سلسلہ ۲۳

بھائی جان کی تلاش

مصنف: اشتیاق احمد

- دس سال پہلے یہ کہانی فیروز سنز سے شائع ہوئی تھی۔
- آپ اس کے ہر صفحے پر ہنسیں گے، مسکرائیں گے۔
- ایک عجیب انداز کی مزاحیہ کہانی۔
- بھائی جان کہاں تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوگا تو۔۔۔
- دوسری خالہ، الہ دین کا چراغ اور ہم کی یاد تازہ کرنے والی کہانی۔
- پسندیدہ جملہ منتخب کرنے پر پانچ قارئین کو آئندہ دو ماہ کے ناول انعام میں دیے جائیں گے۔

قیمت: ۴/۵۰ روپے

انجمن دعوتِ فکر و عمل
کا قیام

- آج فکر و عمل کی دعوت دینے کی شدید ضرورت ہے۔
- ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے دینی، ملکی اور قومی فرائض کیا ہیں۔
- دین کی صحیح ترین صورت کیا ہے۔
- اور کیا ہم دین کی صحیح ترین صورت پر کاربند ہیں۔
- اگر نہیں۔ تو ہمیں کیا کرنا ہوگا۔
- کیا ہم اپنے اندر فکرِ آخرت رکھتے ہیں۔
- اور کیا دوسروں میں فکرِ آخرت پیدا کرتے ہیں۔
- اگر نہیں تو پھر انجمن دعوتِ فکر و عمل میں شامل ہو جائیے۔

— ہم —

- آپ کو بتائیں گے کہ آپ کو کیا کچھ کرنا ہے۔
- اس طرح آپ خود کو۔ اپنے گھر والوں کو، اپنے پڑوسیوں کو اور اپنے شہر والوں کو۔ اسی طرح اپنے ملک کے لوگوں کو ایک فکر دے سکتے ہیں۔ ایک سوچ دے سکتے ہیں۔ کیوں کہ اس دور میں اس فکر اور سوچ کی کمی ہے۔

— اگر —

- آپ اس انجمن میں شریک ہونا پسند کرتے ہیں تو رکنیت کا فارم منگوا کر پُر کیجیے۔
- آپ سے اس سلسلے میں قطعاً کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔

نہ اب۔ نہ کبھی آیندہ۔

- آپ کو ماہ بہ ماہ لٹریچر ارسال کیا جائے گا۔ جو آپ کو ایک لائن اختیار کرنے میں مدد دے گا۔ اور آپ اس لٹریچر کے ذریعے دوسروں کو وہ لائن دے سکیں گے۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو، آمین!

— پتا —

انجمن دعوتِ فکر و عمل
8/67 سیٹلائیٹ ٹاؤن، جھنگ صدر

خطوط کے آئینے میں

پیارے انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! آئیے میں آپ کو ایک عدد جاسوسی ناول تیار کرنے کی ترکیب بتاؤں۔ اشیا نوٹ کر لیں:

۱۔ ایک ایک عدد انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ۔

۲۔ حسبِ ضرورت محاورات کا مصالحہ اور اوٹ پٹانگ باتوں کی چٹنی۔

۳۔ دو یا تین عدد غیر ملکی جاسوس یا ملکی جاسوس۔

۴۔ پچاس گرام سپنس مثلاً: کیا! یا نہیں!

۵۔ اور ہاں سب سے ضروری بات تو میں بھول ہی گیا یعنی ایک عدد نقاب پوش باس۔

ترکیب:

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کو اچھی طرح دھو کر دارالحکومت میں ڈال دیں۔ اس کے بعد اسے قلم کی آگ پر رکھ کر خوب اچھی طرح پکائیں۔ اگر ان میں سے اب بھی جاسوسی کی بو نہ آئے تو حسبِ ضرورت سپنس ڈال

دیں۔ اس کے بعد دو یا تین عدد ملکی جاسوس ڈال دیں۔ اگر غیر ملکی جاسوس ہوں تو وہ بہتر ہیں، کیوں کہ اس سے کھانے کی مہک بڑھ جاتی ہے۔

جب اچھی طرح پک جائیں تو حسبِ ذائقہ محاورات کا مصالحہ اور اوٹ پٹانگ باتوں کی چٹنی ڈال کر پرنٹنگ پریس میں بھیج دیں۔ اس پر خوب صورت سرورق لگوا کر ذہن سے نوش فرمائیں۔ کہیے کیسی لگی یہ ڈش — فقط ناولوں کا باورچی:

منصور ذی شان، مکان نمبر سی/۲۱۸، پیپلز کالونی نمبر ۲، فیصل آباد

پیارے انکل

السلام علیکم! دیر سے خط لکھ رہا ہوں، معذرت قبول کریں۔ بات یہ ہے کہ میرے سالانہ امتحان ہونے والے ہیں۔ دعا کیجیے گا۔

آپ انعامی سوالوں کا سلسلہ ختم کر کے کوئی اور انعامی سلسلہ شروع کر دیں۔ مثلاً: بہترین سوال یا پھر اگلے ماہ کے ناول کا نام تجویز کرنا وغیرہ۔ کیوں کہ انعامی سوال میں ناول کی کئی باتیں وضاحت طلب رہ جاتی ہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ جواب تو اگلے ماہ معلوم ہو جاتا ہے، تو اس وقت ناول کا صحیح مزہ نہیں آتا۔ امید کرتا ہوں کہ مشورے

پر غور فرمائیں گے۔ والسلام!
فیصل جمال، نیو ناظم الدین روڈ، کوئٹہ
ج: غور کروں گا۔

اشتیاق احمد صاحب
السلام علیکم! میرا تعلق پاکستان سے ہے۔ آپ سے غائبانہ تعارف آپ کی تحریروں کی وجہ سے بہت پرانا ہے۔ سوچا کیوں نہ قلمی رشتہ پیدا کر لیا جائے۔

میں بچپن سے ہی دوبئی میں مقیم ہوں۔ اور آپ کی طرح مجھے بھی اپنے وطن پاکستان سے بے پناہ محبت ہے۔ بی۔اے کا طالب علم ہونے کے باوجود آپ کے ناول پڑھتا ہوں، حالاں کہ ابو ناراض بھی ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں، کیا بچوں کے ناول پڑھتے رہتے ہو۔ میری لائبریری میں آپ کے تقریباً تمام ناول موجود ہیں۔ آپ کی ایک کتاب "قیامت کب آئے گی" یہاں کی بک شاپ پر دستیاب نہیں ہے۔ مہربانی فرما کر آپ مجھے "قیامت کب آئے گی" اور "غلام احمد قادیانی" کی ایک ایک جلد بجھوا دیں، آپ کا احسان مند ہوں گا۔ شکریہ!
محمد سعید اختر، پوسٹ بکس نمبر ۲۷۷۹، دوبئی، یو۔اے۔ای